68 Qalam Makky verses 52

سورۂ قلم

(مکیہ ہے اور اس میں (۵۲) آیتیں ہیں)

ماقبل سے مناسبت سورۂ ملک کا اختتام وعید پر ہوا تھا اور اس سورۃ شریفہ کا آغاز ہی اس سے ہو رہا ہے لہذا مناسبت ظاہر ہے۔

۲۔ امام سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ سورۂ ملک کے ختم پر پانی کے زمین میں جذب کر دینے کا خوف دلایا گیا تھا۔ اس سورت شریفہ میں راتوں رات ایک ثمرہ دار باغ کی تباہی کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ جس سے عبرت حاصل کی جا سکتی ہے کہ اللہ سبحانہ ایک رات میں تمام باغ کو فنا کر سکتا ہے تو زمین میں پانی کو جذب کر دینا کیا مشکل ہے؟

۳۔ تفسیر بحر المحیط میں ہے:۔ سورۂ ملک میں اللہ سبحانہ کی قدرت کاملہ کا بیان ہوا تھا کہ اگر وہ چاہے تو کفار کو زمین میں دھنسا دے سکتا ہے۔ آسمان سے پتھر برسا کر ہلاک کر سکتا ہے وغیرہ۔ یہاں تنبیہ دی جا رہی ہے کہ تم ہمارے رسول مقبولؐ کو کبھی جنون کی طرف کبھی سحر (جادو) کی طرف کبھی ہمارے کلام کو شعر کی طرف منسوب کرتے ہو۔ یاد رکھو کہ اس کی پاداش میں

کہیں برباد نہ کر دئے جاؤ۔

یہ سورت اوائل سے ہے یہ سورت شریفہ نزول کے اعتبار سے اوائل قرآن میں شامل ہے اگرچہ لوح محفوظ کی ترتیب کے لحاظ سے اس کو انتیسویں پارے میں جگہ دی گئی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے سورت اقراء نازل ہوئی پھر یہ سورت شریفہ اور اس کے بعد سورہ مزمل اور مدثر وغیرہ۔ اس لحاظ سے یہ سورت شریفہ بالاتفاق مکیہ ہے۔ البتہ آیہ کریمہ انا بلوناھم سے یعلمون تک اور فاصبر سے الصالحین تک آیات مدینہ منورہ میں نازل ہونا امام سخاویؒ نے تبلایا ہے۔ واللہ اعلم۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع ہے اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۝ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝ 68-1 68-2

قسم ہے قلم کی اور جو کچھ لکھتے ہیں۔ آپ نہیں ہیں اللہ کے فضل سے کچھ دیوانے۔

نٓ کی تفسیر نٓ حروف مقطعات اور متشابہات سے ہے اس کی حقیقت علام الغیوب ہی جانے یا جس ذات اقدس روحی فداہ پر یہ کلام پاک نازل ہوا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ ہمارے لئے یہ نعمت کیا کم ہے کہ اس ایک ہی حرف کے پڑھنے پر تیس نیکیاں

ملتی ہیں کیونکہ یہ حرف لکھنے میں تو ایک ہے اور پڑھنے میں تین۔ یعنی اس کو نون پڑھتے ہیں۔ نون میں تین حروف ہیں اور ہر حرف پر دس دس نیکیاں ہیں۔

نون کے معنی لغت میں "مچھلی" کے ہیں۔ راغب اصبہانی لکھتے ہیں:۔۔۔

النون الحوت العظیم ولذا قال عکرمة فی الآیة اقسم اللہ بالحوت الذی لطخ سھم نمرود بدمه۔ (مفردات) "نون" کے معنی "بڑی مچھلی" کے ہیں۔ اور اسی وجہ سے عکرمہؓ نے اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں فرمایا کہ اللہ سبحانہ نے مچھلی کی قسم کھائی جس نے نمرود کے تیر کو اپنے خون سے رنگین کر دیا تھا" باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ وذا النون اذ ذھب مغاضباً۔ اور یاد کرو واقعہ مچھلی کے صاحب کا جبکہ وہ اپنی قوم پر ناراض ہو کر وہاں سے نکل گئے تھے" یہ حضرت یونس علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے۔

نٓ دوسری تفسیر حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ ان اللہ خلق النون وھی الدواة۔ (ابن جریر، ابن المنذر) اللہ سبحانہ نے "نون" کو پیدا کیا اس سے "دوات" مراد ہے" کیونکہ اس کی شکل دوات کی سی ہے۔ نیز اس کے بعد "قلم" کا بیان آ رہا ہے۔ ان دونوں کی مناسبت ظاہر ہے۔ نمرود کا تیر جو مچھلی کے خون سے رنگین ہوا اور بیان ہوا اس سے بھی دوات اور قلم کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔

نون کے معانی اور بھی بیان ہوئے ہیں مگر اللہ سبحانہ کی کیا مراد ہے؟ وہی بہتر جانے۔

قلم کی تفسیر | وَالْقَلَمِ "قسم ہے قلم کی" حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ ان اول ما خلق اللہ القلم فقال لہ اکتب قال ما اکتب قال اکتب القدر فکتب ما کان وما ھو کائن الی الابد۔ (ابن ابی شیبہ، امام احمد رضی اللہ عنہ، ترمذی بروایت صحیحہ، ابن مردویہ) اللہ سبحانہ نے سب سے پہلے جو چیز پیدا کی وہ قلم ہے۔ پیدا کرنے کے بعد اس سے فرمایا کہ لکھ، اس نے عرض کیا کہ کیا لکھوں؟ ارشاد ہوا کہ قدر (یعنی ہر چیز کا اندازہ جو اللہ سبحانہ نے ازل میں مقدر فرما دیا ہے) اس کو لکھ۔ پھر اس نے لکھا جو کچھ کہ وقوع میں آچکا تھا اور جو کچھ ابدالآباد تک وقوع میں آنے والا ہے"۔

نورِ مبارک کی اولیت | حدیث معروف اول ما خلق اللہ نوری بھی پیش نظر ہے جس میں حضرت سید العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ سبحانہ نے میرے نور کو سب سے پہلے پیدا فرمایا" نیز انا من نور اللہ وکل شیئ من نوری کہ میں اللہ سبحانہ کے نور سے ہوں اور ہر چیز میرے نور سے ہے" تو ذات اقدس حضرت سرور کائنات علیہ افضل التحیات والتسلیمات کی شان گرامی ظاہر ہوتی ہے کہ قلم بھی

ایک شئے ہے اور عرش اعظم بھی ایک شئے۔ اور ان سب کا ظہور نور اقدس سے ہونا صاف طور پر واضح ہو جاتا ہے۔ باقی اولیت ذات انور کی اور اولیت قلم کی ان دونوں میں منافات نہیں۔ ذات حضور اکرم کی اولیت و اقدمیت حقیقی ہے' یا اور دوسری اشیائ کی اولیت اضافی ہے۔ اور اسی سے آپ کو علم ما کان و ما یکون حاصل ہونے کا مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے۔

قلم نعمت عظمیٰ ہے بہر حال قلم کو اس کائنات میں جو شرف حاصل ہے وہ حدیث بالا سے معلوم ہوا۔ چنانچہ حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں:۔ القلم نعمة من الله عظيمة لولا القلم ما قام دين ولم يصلح عيش والله اعلم بما يصلح خلقه (عبد بن حمید، ابن المنذر) قلم اللہ سبحانہ کی بہت عظیم الشان نعمت ہے۔ اگر قلم نہ ہوتا تو کوئی دین برقرار نہ رہ سکتا اور نہ کسی کی زندگی درست ہو سکتی۔ اپنی مخلوقات کی اصلاح کے طور طریقے' اللہ سبحانہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے"۔

قلم نہ ہو تو کچھ نہیں عرب جاہلیت کی ساری خرابیوں کا باعث' یہی تھا کہ وہ لکھنے پڑھنے سے عاری تھے گو فصیح اللسان تھے۔ بلاغت کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔ خطابت و شاعری میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ شجاعت مسلمہ تھی۔ مہمان نوازی اور داد و دہش میں بھی شہرۂ آفاق تھے۔ اور بھی خوبیاں فہم و فراست وغیرہ موجود تھیں مگر

قلم کا نہ ہونا، ایسی زبردست کمی تھی کہ تمام فطری محاسن پامال تھے۔ اللہ سبحانہ کو منظور ہوا تو ان ہی میں سے حضرت نبی اُمی فداہ ابی امی کو مبعوث فرمایا اور پہلی وحی جو آپ پر نازل فرمائی وہ اقرأ باسم ربك الذی خلق خلق الانسان من علق اقرأ و ربك الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم کی آیات کریمہ تھیں یعنی پڑھیے نام سے اپنے رب کے جس نے (سب کچھ) پیدا کیا انسان کو بستہ خون سے پیدا کیا۔ پڑھیے درحالیکہ آپ کا رب سب سے زیادہ باعزت ہے جس نے قلم کے ذریعہ (سب کچھ) سکھایا۔ انسان کو وہ باتیں سکھا دیں جن کو وہ کچھ بھی نہ جانتا تھا۔"

حضور اکرمؐ کا کمال اس کے بعد دوسری سورت شریفہ جو نازل ہوئی اس میں قلم کو اس طرح سراہا گیا کہ جناب باری نے قلم کی قسم کھا کر اس کو تمام کائنات کا گواہ قرار دیا۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ شرف بخشا کہ قلم کا نہ ہونا دوسروں کے لئے کمی ہو تو ہوا کرے مگر یہی چیز آپ کی ذات اقدس کے لئے ہنر اور کمال کی صورت میں جلوہ گر ہوئی۔ ولا تخطہ بیمینك فرما کر آپ کے شرف ذاتی کو چار چاند لگا دیے گئے یعنی آپ اپنے ہاتھ سے لکھتے نہیں مگر لکھنے والوں کو لکھنا سکھاتے ہیں۔ آپ نے تعلیم فرمائی کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھو تو ب کو اونچا کر کے لکھو بسم کی سین کو کشش دو

لفظ اللہ کو واضح اور روشن لکھا کرو۔ الرحمٰن کی نون کو کشش دے کر کشادہ لکھو۔ لکھنے سے فارغ ہو جاؤ تو قلم داہنے کان پر لگا لو۔ تحریر کی گیلی روشنائی کو اس پر مٹی ڈال کر خشک کر دیا کرو۔ عرب تلوار تو پکڑتے ہی تھے۔ جب قلم ہاتھ میں لیا تو ساری دنیا کے معلم بن گئے۔ اسی وجہ سے قلم کو شمشیر پر بھی فضیلت ہے ایک عرب شاعر کہتا ہے:۔

اذا اقسم الابطال یوما بسیفهم وعدّوه مما یجلب المجد والکرم

کفیٰ قلم الکتّاب فخرا ورفعة مدی الدهر ان الله اقسم بالقلم

بہادر لوگ کسی دن اپنی تلوار کی قسم کھانے لگیں اور تلوار کو بزرگی اور شرف کا باعث قرار دیں تو قلم کے لئے یہ دائمی فخر اور سربلندی کیا کم ہے کہ اللہ سبحانہ نے قلم کی قسم کھائی ہے۔"

قلم کے فوائد قلم درحقیقت ہے ہی ایسی نعمت عظمیٰ کہ زبان سے جو بات نکلتی ہے وہ ہوا میں مل جاتی ہے اور بعد کو فنا ہو جاتی ہے مگر وہی بات جب قلم سے لکھ لی جائے تو کلام فنا کو بقائے دوام کی نعمت حاصل ہو جاتی ہے قرن ہا قرن کے بعد آنیوالے بھی اس سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ کلام ایک ہوا ہے۔ اور ہوا کو اگر کوئی چیز قید میں لا سکتی ہے تو وہ قلم ہے۔ گویا قلم کی حکومت ہوا پر بھی قائم ہے۔ ماضی کو حال و استقبال سے ملانا یا مستقبل سے حال کو آگاہ کرنا یہ بھی قلم کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے۔

قلم ہی کا فیضان ہے کہ قرآن کریم کو نازل ہوئے تقریباً چودہ سو سال ہوتے ہیں اور یہی تاریخ احادیث شریفہ کی بھی ہے مگر ہم آج اسی قلم فیض رقم کی بدولت ان بے بہا نعمتوں سے مالامال ہیں۔ والحمد للہ علیٰ ذالک۔

ومایسطرون کی تفسیر وَمَا يَسْطُرُوْنَ یہ واؤ قسمیہ بھی ہو سکتا ہے اور عاطفہ بھی قسمیہ مراد ہو تو معنی یوں ہوں گے۔ قسم ہے ان چیزوں کی جو لکھتے ہیں۔" اور عاطفہ ہو تو یہ معنی ہوں گے کہ (قسم ہے قلم کی) اور جو لکھتے ہیں۔ (ان کی بھی)" رہے لکھنے والے کون ہیں؟ ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد کراماً کاتبین ہوں جو بنی آدم کے روزانہ اعمال نامے لکھنے پر مامور ہیں۔ یا علمائے ربانیین جو اللہ سبحانہ کا کلام اور اس کے رسولوں کے احکام مواعظ، نصائح، اور کام کی باتیں لکھ لکھ کر بنی آدم کی ہدایت و رہنمائی کا سامان فرماتے رہتے ہیں۔ یا قلم الہٰی جس نے تمام مخلوق کے آجال و مقادیر لکھ رکھے ہیں۔ یعنی ہر ایک کی مدت حیات اور اس حیات میں ہونے والے تمام اعمال و اقوال سب کچھ لکھ دئے گئے ہیں۔ اس صورت میں قلم مفرد کو جمع کے صیغہ سے یاد کرنا اس کے شرف اور عظمت کے اعتبار سے ہوگا۔ یا جنس قلم۔ خواہ وہ قلم الٰہی ہو یا کراماً کاتبین اور علمائے ربانیین کے اقلام ہوں۔ ان سے جو جو اعمال و اقوال، علوم و معارف و اسرار احکام و مواعظ و نصائح، اخبار و واقعات و امثال لکھے جاتے ہیں ان سب کی قسم ہے۔ اور یہ

تمام کے تمام گواہ ہیں اس امر کے جس کا بیان آگے آرہا ہے۔

ماانت بنعمۃ ربک بمجنون کی تفسیر

مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ۔ آپ اپنے پروردگار کے فضل سے کچھ دیوانے نہیں ہیں۔ یعنی اللہ سبحانہ کی نعمت کاملہ جو آپ کی ذات گرامی کے ساتھ مخصوص ہے اسی نعمت کاملہ مخصوصہ میں سے دوسروں کو حسب استعداد حصہ دیا گیا ہے یعنی نبوت، رسالت، عقل کامل، فہم ثاقب، فضل جامع، خُلق اتم، علم و معرفت، انوار و اسرار اور جملہ محامد و محاسن جہاں جمع ہوں تو ایسی نعمت کاملہ اور فضل عظیم کی موجودگی میں اس ذات گرامی کو "جنون" سے کیا واسطہ ہو سکتا ہے؟

ولید کی سفاہت

کہتے ہیں کہ ولید بن مغیرہ مخزومی جو اشد کافروں سے تھا اس نے حضور کو اس وصف سے یاد کیا تھا اور بطور تمسخر و استہزاء اس طرح کہا کرتا تھا۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اس کی نفی اس زور سے فرمائی کہ افضال الٰہیہ اور خدائی نعمتیں جن کو اس درجہ دی گئی ہوں ان کو دیوانہ کہنا پرلے درجہ کی حماقت ہے کہ اس سے بڑھ کر سفاہت و بلاوت نہیں ہو سکتی۔

حضرت حلیمہ سعدیہؓ کا واقعہ

مواہب اللدنیہ میں حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طفولیت کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ حضرت حلیمہ سعدیہؓ اپنی سواری پر

سوار ہوکر حضورؐ کو اپنی گودی میں لی ہوئی کعبۃ اللہ شریف کے پاس آئیں تو سواری کے جانور نے کعبۃ اللہ شریف کو دیکھتے ہی تین دفعہ سجدہ کیا۔ اور گویا ہوئی کہ اس کی پیٹھ پر خیر المتنبیین و سید المرسلین و خیر الاولین والآخرین و حبیب رب العالمین سوار ہیں۔" یہ نادر روزگار واقعہ دن کے وقت، ایک مجمع عام میں پیش آیا۔ موجود الوقت لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا۔ ایک ایسا جانور جو تمام جانوروں میں بلاوت اور سفاہت میں مشہور ہے وہ تو آپ کی نبوت و رسالت، اولین وآخرین کے مقابلہ میں آپ کی خیریت و افضلیت اور حبیب رب العالمین ہونے کی شہادت، علی رؤس الاشہاد دے اور ایک انسان جو خود کو بڑا عقلمند، جہاں دیدہ، تجربہ کار، اور ابنائے روزگار میں خود کو ممتاز سمجھتا ہو وہ آپ کو ایسا خطاب دے تو اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ ایک گدھی سے بھی زیادہ بلید اور سفیہ ہے اس سے بڑھ کر بلید اور سفیہ اور کون ہو سکتا ہے؟ بہر حال اللہ سبحانہ نے پوری طرح اس کی نفی فرمائی۔ اور صرف یہی نہیں کہ نفی فرمائی بلکہ ارشاد فرمایا:۔

حضورؐ کے اجور مضاعفہ | وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۝ اور آپ 68-3

کے لئے ثواب ہے بے انتہا"

ابتدائے اسلام میں حضور انور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تقریریں یہی ہوتی تھیں کہ قریش جہالت اور گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور خدائے واحد کو چھوڑ کر تین سو ساٹھ بت بنا رکھے ہیں۔ پرستش تو خالق کائنات کی ہونی چاہیئے بجائے اس کے اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے بتوں کی عبادت جاری ہے جو کچھ بھی کام نہیں آسکتے ہیں تمھاری اصلاح کے لئے اللہ کے پاس سے نبی و رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں اگر میری دعوت توحید قبول کر لوگے اور میری بتائی ہوئی ہدایات پر عمل پیرا ہوگے تو دنیا و دین کی کامیابی حاصل ہوگی۔ کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھکر میرا ساتھ دو قرآنی ہدایات کو مانو جو مجھ پر بذریعہ وحی نازل ہو رہی ہیں تو میں ضمانت دیتا ہوں کہ دنیا میں تمھارا بول بالا ہوگا۔ اور آخرت میں نجات ہوگی۔ میرا دین تمام دنیا پر غالب ہوگا ورنہ اس وقت تم کو حسرت ہوگی کہ کاش ہم دعوت اسلامی قبول کرتے۔ وغیرہ وغیرہ ـــ اقبال مرحوم نے کیا خوب کہا ہے :۔

کی وفا تو نے محمدؐ سے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

کفار کا طنز کفار کو یقین نہ تھا وہ تمسخر اور استہزاء کے انداز میں کہا کرتے کہ آپ کے سوا اللہ کو کوئی نہیں ملا کہ آپ پر وحی بھیجنے لگا۔ اور آپ ہیں کہ دوسروں کو جاہل اور

گمراہ بتاتے ہیں بلکہ ساری دنیا کے مقابلہ میں صرف خود کو ہدایت یافتہ باور کراتے ہیں پھر آپ کا یہ دعوی ہے کہ میں ساری دنیا پر غالب آؤں گا۔ اور منکرین حسرت کرتے رہیں گے کہ کاش ہم بھی مسلمان ہو جاتے۔ یہ کونسی عقل و ہوش کی باتیں ہیں کھلی دیوانگی نہیں تو پھر کیا ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ تمہاری ساری تقریریں مجنونانہ بڑ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں۔ وغیرہ (العیاذ باللہ)۔

ثواب بقدر مشقت ان جوابات کا حضورؐ پر کیا اثر ہوتا ہوگا اور ذات اقدس کو کیسی اذیت اور تکلیف محسوس ہوتی ہوگی اس کا اندازہ کر لیجئے۔ مگر اسلامی اصول ہے ثواب الاعمال بقدر المشقة۔ جس کا حق میں جتنی تکلیف ہوگی اسی قدر ثواب زیادہ ملیگا۔ چونکہ کافروں کی یہ باتیں بے انتہا تکلیف اور اذیت کا باعث تھیں۔ اللہ سبحانہ نے آپ کو آگاہ فرما دیا اور تسلی دی کہ آپ فضل الٰہی سے مجنون کیوں ہونے چلے آپ کو تو بے انتہا ثواب مل رہا ہے یعنی امت کے جس قدر افراد آپ کی ہدایات کو تسلیم کر کے آپ کے بتائے ہوئے راستہ پر چلتے رہیں گے ان سب کا اجر آپ کے نامۂ اعمال میں لکھا جاتا رہے گا۔ نیز جس قدر منکرین آپ کا انکار کر کے آپ کی ایذا رسانی کا موجب ہوں گے اس کا اجر بھی آپ کو ملتا رہے گا۔ ایا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ امت دعوت اور امت اجابت ان دونوں کا اجر تا قیام قیامت

آپ کو ملتا رہے گا تو آپ کے اجر و ثواب کا کیا ٹھکانہ۔

غیر ممنون کی دوسری تفسیر | غیر ممنون کے ایک معنی غیر مقطوع کے ہیں کہ ثواب کا سلسلہ کبھی قطع نہ ہوگا۔ مذکورۂ بالا تفسیر ان ہی معنی کے نظر کرتے تھی۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ افراد امت کے اعتبار سے یہ اجر کبیر اور ثواب کثیر جو آپ کو حاصل ہوتا رہے گا اس میں کسی کی آپ پر منت و احسان نہیں۔ بلکہ آپ کی منت اور آپ کا احسان ان تمام امتیوں کی دوش پر ہے جو آپ کی تعلیمات سے فائدہ اٹھاتے رہے نیز منکرین کے انکار اور ایذا رسانیوں کے بدلے میں آپ کو جو اجر ملتا رہے گا اس کا احسان بھی کوئی آپ پر نہیں جتا سکتا۔ آپ ان کی ایذاؤں پر صبر فرماتے رہئے آپ کے ثواب میں دن دونی رات چوگنی ترقی ہی ہوتی رہے گی۔

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ اور آپ ہیں فطرۃً بڑے خُلق پر۔

خلق عظیم کی تفسیر | آپ کے اخلاق عالیہ اور ملکات فاضلہ کا کیا پوچھنا جس کی 68-4
تفسیر سارا قرآن کریم ہے۔ قرآن کریم وہ کلام پاک جس کے محاسن صوری و معنوی کی کوئی حد نہیں اور جس کا جواب لانے سے ساری دنیا قیامت تک قاصر ہے۔ فصحائے عرب سے اس کا جواب نہ ہو سکا اور سبھوں نے اس کی فصاحت و بلاغت کا حد اعجاز پر ہونے کو مان لیا۔ ایسا معجز کلام ہر وقت ایک جدید اسلوب سے پیش کرنا کیا کسی مجنون کا کام ہو سکتا ہے؟ پھر آپ جو کچھ زبان مبارک سے فرماتے ہیں

اور دوسروں کو اس کا حکم دیتے ہیں اس کو بہترین طریقے پر کر بتاتے ہیں اور طریق عمل سکھاتے ہیں اس کا نمونۂ عمل ساری دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں ان کو مجنون کہا جا سکتا ہے؟ حاشا و کلا۔ کَبُرَتْ کَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ بہت بڑی بات ہے جو اُن کی زبان سے نکل رہی ہے "اِنْ یَّقُوْلُوْنَ اِلَّا کَذِبًا۔ یہ معترضین محض جھوٹ کہتے ہیں "

قوم سے خطاب کسی کے فہم میں یہ بات آسکتی ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ اپنا ایسا معجز کلام کسی مجنون پر نازل فرمائے گا۔ پھر اس کی تفسیر ناطق، آپ کی احادیث شریفہ جن میں علوم و حکمت کے دریا بہائے گئے ہیں اور ہر موقع و محل کے اعتبار سے ایسی جامع و مانع ہدایات دی گئی ہیں کہ ان کا تعلق تہذیب نفس سے ہو یا تدبیر منزل سے یا سیاسیات مدنیہ سے، نیز معاملہ دوست کا ہو یا دشمن کا، عزیز و قریب کا ہو یا اجنبی کا، اہل و عیال کا ہو یا پڑوسی کا، تندرستوں کا ہو یا بیماروں اور معذوروں کا بچوں کا ہو یا عورتوں، بوڑھوں، جوانوں کا، ماتحتین کا ہو یا بالادستوں کا، قول و فعل کا ہو یا علم و اعتقاد کا، ظاہر کا ہو یا باطن کا، جوارح سے تعلق رکھتا ہو یا قلب سے نیز معاملہ دنیا کا ہو یا عالم برزخ اور آخرت کا ہر ہر امر کے متعلق کیسی روشن ہدایات احادیث شریفہ میں موجود ہیں۔ کیا دیوانوں سے ایسی عالمی اصلاحات ممکن ہیں؟

پھر ہر امر کے حدود مقرر کرنا، افراط و تفریط کو ہٹا کر اعتدال قائم کرنا اور خود اس پر عامل ہو کر دوسروں کو عامل بنا کر تا قیامت آنے والی نسلوں کے لئے سادہ سہل بہترین نمونہ علم و عمل کا چھوڑ دینا کسی فیلسوف، دانا، حکیم، عالم، عارف، تجربہ کار، جہاں دیدہ کار آزمودہ کے بس کی بات ہے؟ پھر یہ سب کچھ جو کچھ ہوا تریسٹھ سال کی عمر شریف اور صرف تیئیس ۲۳ سال کی مختصر مدت میں انجام پایا۔ اس تیئیس سال میں ایک لاکھ بیس ہزار ماہر اساتذہ علم و عمل کے پیکر وہ تھے جو میدان عرفات میں لا کر کھڑے کر دئے گئے تھے۔ علاوہ ان لاکھوں ماہرین کاملین کے جن کو اپنے کاروبار جاری رکھنے کے لئے گھروں میں چھوڑ دیا گیا تھا۔ یہ سب کے سب آسمان رسالت و نبوت کے درخشاں ستارے تھے۔ جن کی عزت افزائی اس طرح فرمائی گئی:۔ اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم۔ میرے تمام اصحاب ستاروں کی طرح ہیں تم ان میں سے جس کسی کی اقتدا کرو گے راہ راست پر رہو گے۔" ان ہی میں وہ قابل فخر ممتاز ہستیاں تھیں جو عشرہ مبشرہ، سابقین اولین، مہاجرین، انصار، اصحاب بدر، اصحاب احد، اصحاب خیبر، اہل بیعت رضوان وغیرہ القاب سے یاد کی جاتی ہیں۔ اور ان ہی میں وہ مقدس و مبارک بزرگوار اہل بیت اطہار ہیں جن کی شان میں آپ کا ارشاد مبارک ہوا:۔ مثل اھل بیتی کمثل سفینۃ نوح من تمسک بھا نجا و من تخلف

عنھا ھلک۔ میرے اہل بیت کی مثال کشتی نوح کی طرح ہے جس نے اس کو تھام لیا
اس کی نجات ہوئی اور جو اس سے پیچھے رہ گیا وہ ڈوب مرا۔" کیا دیوانوں سے ایسے
افراد مہیا ہو سکتے ہیں؟۔

خلافت راشدہ کے نمایاں کارنامے

پھران مبارک و مقدس، ممتاز ماہرین نے تیس سال کی مختصر سی مدت خلافت راشدہ میں، دنیا بھر کے جو نمایاں کام محیر العقول طریقہ پر انجام دئے۔ میدان علم و عرفان میں ہو، یا معرکہ کارزار میں، مساجد میں ہو یا گھروں اور خانقاہوں میں، عمل کے میدان میں ہو یا معاملات وغیرہ میں؛ ان کے کارناموں کو تاریخ و سیرت کی کتابوں میں قیامت تک پڑھتے رہو۔ کیا یہ حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا کھلا ہوا زندہ معجزہ نہیں ہے کہ آسمان نبوت و رسالت کے ان درخشاں ستاروں نے جو جزیرۃ العرب کے باشندے تھے۔ جن بلاد و امصار کو اپنے مبارک ہاتھوں سے فتح کیا تھا، افغانستان و ایران سے لے کر عراق، عجم، مصر، ترکستان وغیرہ تک، آج بھی اسلام کے زیر نگیں ہیں اور ان پر اسلامی پرچم چودہ سو سال سے لہرا رہا ہے اور ان شاء اللہ المستعان تا قیام قیامت لہراتا رہیگا اور خلافت راشدہ کے بعد جن سلاطین نے فتوحات کئے وہ اس سے بھی بہت آگے تھے، گو یہ ممالک، مسلمانوں کے قبضے میں نہ رہے لیکن مسلمان وہاں اب بھی باعزت

زندگی بسر کر رہے ہیں ۔ اعلاء کلمۃ اللہ کسی نہ کسی صورت میں قائم و دائم ہے ۔ کیا یہ سب دیوانگی ہے اور دیوانوں کے کام ہیں ؟

خانگی زندگی اخلاق و اوصاف دنیا بھر میں معروف و مشہور ہونا آسان ہے ۔ اس کا حقیقی معیار گھریلو زندگی ہے ۔ حضور انورؐ کا ارشاد گرامی ہے : ۔ خیرکم خیرکم لاھلہ ۔ تم سب میں بہتر وہ ہے جو اپنے اہل و عیال کے ساتھ بھی بہترین سلوک کرتا ہو" ۔ انسان ساری دنیا میں اچھی شہرت رکھتا ہے لیکن اس کا کوئی عیب اپنی بی بی سے چھپ نہیں سکتا ۔ خانگی خدمت گزاروں سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا ۔ آئیے اس نقطہ نظر سے بھی مطالعہ کریں ۔

خُلق عام حضرت ابو عبد اللہ جدلی فرماتے ہیں کہ میں نے ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہؓ سے دریافت کیا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلق مبارک کا کیا حال تھا ؟ فرمائیں : ۔ لم یکن فاحشا ولا متفاحشا ولا سخابا فی الاسواق ولا یجزی بالسیئۃ السیئۃ ولکن یعفو ویصفح ۔ (ابن ابی شیبہ ترمذی بروایت صحیحہ ابن مردویہ) آپ نہ فحش گو تھے اور نہ اس کو پسند فرماتے تھے ۔ نہ بازاروں میں نعرے لگاتے' آوازے کستے ۔ اور نہ برائی کا بدلہ' برائی سے دیتے ۔ لیکن معاف فرما دیتے اور درگزر سے کام لیا کرتے" ۔

صحابہ کرام اور ازواج مطہرات کیساتھ سلوک

حضرت ام المومنینؓ نے یہ بھی فرمایا:۔ ما کان احد احسن خلقا من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما دعاہ احد من اصحابہ ولا من اھل بیتہ الا قال لبیک (ابن مردویہ ابو نعیم واحدی) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ خوش خلق کوئی نہ تھا آپ کے اصحاب یا اہل بیت جب کبھی آپ کو بلاتے تو آپ ہمیشہ لبیک فرمایا کرتے" یعنی ابھی حاضر ہوا۔

راضی برضا رہنا

ایک دفعہ ام المومنین سے حضرت ابو الدرداءؓ نے آپ کے اخلاق مبارک دریافت کئے تو فرمایا:۔ یرضی لرضاہ ویسخط لسخطہ۔ (ابن المنذر ابن مردویہ بیہقی) (آپ کے سب کام اللہ واسطے تھے) اس کی خوشی سے آپ بھی خوشنود ہوتے اور اس کی ناراضی سے آپ بھی ناراض رہتے"

تمام قرآن آپ کا خلق

حضرت سعد بن ہشام فرماتے ہیں کہ میں (اپنی جدہ محترمہ) سیدتنا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ مجھے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق فاضلہ سنایئے۔ فرمائیں:۔

کان خلقہ القرآن اما تقرأ القرآن انک لعلی خلق عظیم۔ (ابن ابی شیبہ عبد بن حمید مسلم ابن المنذر حاکم ابن مردویہ) آپ کے اخلاق (سے سارا) قرآن کریم بھرا ہے۔ کیا تم

قرآن کریم میں یہ آیۂ کریمہ نہیں پڑھتے۔ انک لعلی خلق عظیم۔ آپ اخلاق کے بہت بڑے معیار پر ہیں" جس سے بڑھ کر اور کوئی معیار نہیں ہوسکتا۔

خدام کے ساتھ سلوک حضرت انسؓ فرماتے ہیں:۔ خدمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احدی عشرۃ سنۃ ما قال لی قط الا فعلت هذا او لم فعلت هذا (خزائطی) میں نے گیارہ سال حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کی۔ اس مدید عرصہ میں (میں نے کوئی کام نہیں کیا تو) کبھی نہیں فرمایا کہ یہ کیوں نہیں کیا۔ (یا اگر کوئی کام خلاف مرضی مبارک کر دیا تو کبھی یوں نہ فرمایا کہ) ایسا کیوں کیا؟" حضرت انسؓ نے یہ بھی فرمایا:۔ خدمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانا ابن ثمان سنین فما لامنی علی شیئ یوما من الایام فان لامنی لائم قال دعوہ فانہ لو قضی شیئ لکان (خزائطی) میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہوا تو میں اس وقت آٹھ سال کا تھا مگر آپ نے کسی دن بھی مجھ پر کوئی ملامت نہیں فرمائی (دیکھنے والوں میں سے) اگر کوئی مجھ پر کبھی ملامت کرتے تو آپ فرمایا کرتے اس کو چھوڑ دو۔ بات یہ ہے کہ اگر کسی امر کا فیصلہ (اللہ سبحانہ کے پاس سے) ہوا ہوتا تو اس کے بموجب کام ہو کر رہتا"

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا اعتراف سیرت مبارک میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ اقرار بھی ملتا ہے کہ ان گیارہ سال کی مدت میں جتنے کام حضور کے میں نے انجام دئے اور آپ کی خدمت کی۔ اس سے کہیں زیادہ حضور اکرم نے میری خدمت فرمائی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ ورضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا۔

لطافت و نظافت حضرت انس رضی اللہ عنہ یہ بھی فرماتے ہیں:۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احسن الناس خلقا ولا مسست خزا ولا حریرا ولا شیئا الین من کف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا شممت مسکا ولا عطرا کان الطیب من عرق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (بخاری مسلم) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (تمام لوگوں کے مقابلہ میں زیادہ خوش خلق تو تھے ہی) پیدائشی طور پر یعنی جسمانی اعتبار سے بھی سب سے زیادہ حسین خوبصورت تھے۔ میں نے کوئی ابریشم کوئی حریر اور کوئی نرم وملائم چیز حضور انور کے دست مبارک سے نرم تر نہیں پائی۔ نہ کوئی مشک نہ کوئی عطر آپ کے پسینے سے زیادہ خوشبو دار پایا۔"

تواضع حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا:۔ ان امرأۃ کانت فی عقلها شیئا قالت یا رسول اللہ ان لی الیك حاجة فقال یا ام فلان اجلسی

فی ای سکک المدینة شئت اجلس الیک فقعد الیھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی قضت حاجتھا (مسلم شریف) ایک عورت کی عقل میں کچھ خلل تھا اس نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! مجھے آپ سے کچھ کام ہے۔ آپ نے فرمایا تم مدینے کی کسی گلی میں بیٹھ جاؤ ہم وہیں تمھارے پاس بیٹھ جائیں گے۔ چنانچہ آپ اس کے پاس بیٹھ گئے اور اس کی حاجت روائی فرمائی۔" آپؐ نے یہ بھی فرمایا:۔ کانت الامة من اماء المدینة لتاخذ بید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فینطلق بہ حیث شاءت (بخاری شریف) مدینے کی ایک ایک باندی تک آپ کا دست مبارک پکڑ لیتی اور آپ کو جہاں چاہتی لیجاتی تھی۔" آپ نے یہ بھی فرمایا:۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا صافح الرجل لم ینزع یدہ من یدہ حتی یکون ھو الذی ینزع یدہ ولا یصرف وجھہ عن وجھہ ولم یر مقدما رکبتیہ بین یدی جلیس۔ (ترمذی شریف) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی مصافحہ کرتا تو آپ اپنا دست مبارک اس کے ہاتھ سے نہ نکالتے تا آنکہ وہ خود ہی اپنا ہاتھ نہ نکال لیتا اور نہ اپنا چہرۂ انور اس کے چہرے سے پھیر لیتے نیز کبھی نہیں دیکھا گیا کہ اپنے پاس بیٹھے ہوئے شخص کے آگے اپنا قدم مبارک دراز فرمایا ہو۔"

حلم حضرت انس رض نے یہ بھی فرمایا۔ کنت امشی مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ببرد نجرانی غلیظ الحاشیہ فادرکہ اعرابی فجذبہ بردائہ جذبۃ شدیدۃ حتی نظرت الی صفحۃ عاتق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد اثرت بھا حاشیۃ البرد من شدۃ جذبہ ثم قال یا محمد صلی اللہ علیک وسلم مرلی من مال اللہ الذی عندک فالتفت الیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم ضحک ثم امر لہ بعطاء۔ (بخاری شریف، مسلم شریف) میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ چل رہا تھا۔ اس وقت آپ نجرانی چادر دبیز حاشیہ والی زیب تن فرمائے ہوئے تھے۔ اتنے میں ایک گنوار ملا اور ردائے مبارک اس زور سے کھینچی کہ گردن مبارک پر نشان پڑ گئے۔ پھر کہنے لگا کہ محمدؐ! اللہ کا مال جو آپ کے ہاں ہے اس میں سے مجھے بھی کچھ دینے کے لئے فرمائیے۔ آپ اس کی طرف ملتفت ہو کر مسکرانے لگے پھر اس کو دینے کا حکم فرمایا۔" فداہ ابی وامی۔

حلم حضرت جبیرؓ بن مطعم اپنا چشم دید واقعہ بیان فرماتے ہیں:۔ بینما هو یسیر مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مقفلہ من حنین فعلقت الاعراب یسالونہ حتی اضطروہ الی سمرۃ فخطفت رداءہ فوقف رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقال اعطونی ردائی لوکان لی عدد ھذہ العضاہ نعم لقسمتہ بینکم لا تجدونی بخیلا ولا کذوبا ولا جبانا۔ (بخاری شریف) غزوۂ حنین سے واپسی کے موقع پر یہ حضرت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چل رہے تھے۔ اتنے میں چند گنوار لگ پڑے۔ وہ آپ سے کچھ مانگتے تھے تاآنکہ ببول کے ایک درخت کے پاس ٹھہر جانے پر مجبور کر دیا۔ اور ردائے مبارک بھی اُڑا لی گئی چنانچہ آپ ٹھہر گئے۔ اور فرمایا کہ (دوستو!) میری چادر تو مجھے دے دو۔ اگر میرے پاس ان خاردار درختوں کے کانٹوں کے برابر بھی بکریاں، گائے، اونٹ ہوں گے تو میں ان سب کو تم میں تقسیم کر دوں گا۔ تم مجھے کبھی بخیل، غلط باور کرانے والا اور بزدل نہ پاؤ گے۔"

جود وسخا حضرت انسؓ فرماتے ہیں:۔ کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم احسن الناس واجود الناس واشجع الناس (بخاری شریف مسلم شریف) حضرت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم اچھے لوگوں میں سب سے اچھے، جود وسخا والوں میں

سب سے زیادہ جواد و سخی، اور بہادروں میں سب سے بڑھکر بہادر تھے"۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں:۔ ما سئل رسول اللہ علیہ وسلم شیئًا فقال لا۔ (بخاری شریف، مسلم شریف) ایسا کبھی نہیں ہوا کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی چیز مانگی گئی اور آپ نے "لا فرمایا ہو" یعنی یہ کہ میں نہیں دیسکتا

عفو و درگزر ام المومنین حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں:۔ ما ضرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدہ شیئًا قط الا ان یجاھد فی سبیل اللہ ولا ضرب خادما ولا امرأۃ ولا ینسل شیئًا منہ قط فینتقم من صاحبہ الا ان ینتھک لشیئ من محارم اللہ فینتقم للہ۔ (مسلم شریف) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست شریف سے کسی کو نہیں مارا بجز اس کے کہ آپ جہاد فی سبیل اللہ میں ہوں۔ اور نہ کسی خادم کو مارا نہ کسی عورت کو۔ اور کوئی چیز آپ کی لے لی گئی ہو تو اس کا انتقام کسی سے نہیں لیا۔ ہاں اگر اللہ سبحانہ کے محارم میں سے کسی کی ہتک حرمت کی جاتی تو اللہ سبحانہ کی خاطر اس کا انتقام ضرور لیتے تھے"۔

حسن خلق کی تعلیم اللہ سبحانہ نے آپؐ کو مکارم اخلاق کے جس عرش اعلےٰ پر فائز فرمایا تھا اسی کا نتیجہ تھا کہ آپؐ دوسروں کو بھی مجسمۂ اخلاق حسنہ دیکھنا

چاہتے تھے۔ موقع بہ موقع حسن اخلاق کی جانب لوگوں کو توجہ دلایا کرتے۔ چنانچہ آپ اکثر فرماتے :۔ بعثت لاتمم حسن الخلاق۔ (امام احمدؒ موطا عن ابی ہریرہؓ) میں بہترین اخلاق کی تکمیل کے لئے ہی بھیجا گیا ہوں۔" حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ ان اثقل شیٔ یوضع فی المیزان للمؤمن یوم القیامة خلق حسن وانّ اللہ یبغض الفاحش البذیّ (ترمذی بروایت صحیحہ) قیامت کے دن ترازو میں مومن کی سب سے بھاری نیکی جو رکھی جائے گی وہ حسن خلق ہوگا۔ اور اللہ سبحانہ فحش گو' بدزبان سے ناراض ہے۔" حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا:۔ اتدرون ما اکثر ما یدخل الناس الجنّة قالوا اللہ ورسوله اعلم قال فانّ اکثر ما یدخل الناس الجنّة تقوی اللہ وحسن الخلق (ابوداؤد شریف) کچھ جانتے ہو لوگوں کو جنت میں کونسی چیز زیادہ لیجائیگی صحابہؓ نے عرض کیا کہ اللہ سبحانہ اور اس کے پیارے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا لوگوں کو جنت میں زیادہ تر لیجانے والی چیز اللہ سبحانہ کا ڈر اور حسن خلق ہے۔" حضرت ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:۔ انّ المؤمن لیدرك

بحسن خلقه درجة قائم الليل وصائم النهار۔ (ابوداؤد شریف) یقین جانو کہ مومن اپنے اچھے اخلاق کی بدولت، راتوں کو عبادت کرنے والے اور دن کو روزہ رکھنے والوں کا درجہ حاصل کر سکتا ہے۔" حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ ان من احبکم الی احسنکم اخلاقا۔ (بخاری شریف) تم سب میں مجھے وہ زیادہ محبوب ہے جو تم سب میں اچھے اخلاق والا ہو۔" ایک روایت یوں بھی آئی ہے:۔ ان من خیارکم احسنکم اخلاقا۔ (بخاری شریف، مسلم شریف، بیہقی) تم سب میں بہتر وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔" حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں:۔ كان آخر ما وصاني به رسول الله صلی اللہ علیه وسلم حين وضعت رجلي في الغرز ان قال يا معاذ احسن خلقك للناس (امام مالکؒ) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے سب سے آخری وصیت جو فرمائی (جبکہ مجھے یمن کا حاکم بنا کر بھیجا جا رہا تھا) جب کہ میں اپنا پاؤں رکاب میں ڈال چکا تھا، آپ کا ارشاد مبارک یہ تھا کہ معاذ! لوگوں کے ساتھ خوش خلقی کا برتاؤ کرتے رہنا۔" اسامہ بن شریکؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ نے دریافت کیا یا رسول اللہ! انسان کو جو اوصاف حسنہ دئے جاتے ہیں ان میں بہترین وصف کونسا ہے؟ تو

ارشاد فرمایا:۔ الخلق الحسن۔ (شرح السنہ) اچھے اخلاق بہترین عطیہ الٰہی ہے۔" کتب سیرت کا مطالعہ کیجئے تو ایسے بے شمار واقعات ملیں گے جن سے آپ کے مکارم اخلاق کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو صفات دیگر انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام میں منتشر طور پر ملتے ہیں وہ سب آپ کی ذات اقدس میں اضافے کے ساتھ جمع تھے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے

حسن یوسفؑ دم عیسٰیؑ ید بیضا داری آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

مقام غور ہے کہ ایسے صفات عالیہ کیا کسی دیوانے میں پائے جا سکتے ہیں؟ بلکہ ہمارا تو یہ دعویٰ ہے کہ کیا کسی دانا سے دانا ترین کو بھی دنیا پیش کر سکتی ہے؟

علامہ بوصیریؒ نے کیا خوب فرمایا:۔

منزہٌ عن شریكٍ فی محاسنه
فجوهر الحسن فیه غیر منقسم

محاسن اخلاق میں کوئی انسان آپ کا شریک ہو اس سے ذات اقدس منزہ ہے، جوہر حسن جو آپ کی ذات پاک میں ودیعت فرمایا گیا اس میں تقسیم کہاں؟۔

فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُونَ ۝ بِأَييِّكُمُ الْمَفْتُونُ ۝ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ 68-5 68-6
أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ۝ اے آپ 68-7

عنقریب دیکھ لیں گے اور وہ بھی دیکھ لیں گے کہ کون ہے تم میں جو بہکا ہوا ہے۔

بے شک آپ کا پروردگار ہی خوب جانتا ہے اس کو جو بہکا اسکی راہ سے اور وہی خوب جانتا ہے راہ پانے والوں کو"

امتحان عقل و فہم کہنے والے نے تو کمال گستاخی سے کہہ گیا مگر خود وہ اور اس کے تمام ساتھی جانتے ہیں کہ آپ دیوانے نہیں ہیں۔ اب وہ وقت دور نہیں کہ ایسا کہنے والے کا انجام آپ بھی دیکھیں گے اور خود یہ بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے اس وقت معلوم ہو جائے گا کہ فتنہ کس کے ساتھ لگا ہوا ہے آپ کے ساتھ یا ان کے ساتھ؟ مفید کو مضر اور مضر کو مفید کون سمجھ رہے ہیں؟ اچھے اور برے کی تمیز کس کو حاصل نہیں ہے آپ کو یا خود ان کو؟ حقیقت یہ ہے کہ دیوانے نہ تو آپ اور آپ کے متبعین ہیں اور نہ ولید اور اس کے ساتھی۔ عقل و فہم ہر دو فریق کو حاصل ہے۔ مگر اقتضائے عقل و فہم یہ ہے کہ انسان اچھے اور برے کی تمیز کرے اور نیک و بد کو پہچانے۔ برائی کو چھوڑے اور نیکی کو اختیار کرے اور کمال عقل و فہم یہ ہے کہ اگر وہ چیزیں اچھی ہی پیش ہوں تو ان دونوں میں جو چیز زیادہ اچھی ہو اس کا انتخاب کرے۔ اسی طرح اگر دو چیزیں بری درپیش ہو جائیں تو وہ پہلو انتخاب کرے جس کی برائی کم ہو۔ اور اگر دو چیزیں ایسی ہوں جن میں بھلائی اور برائی دونوں ہوں تو یہ شناخت کرے کہ غالب حصہ برائی کا ہے یا بھلائی کا۔ اگر

برائی غالب ہو تو اس کو چھوڑ دے۔ اور بھلائی غالب ہو تو اس کو اختیار کرے۔ یہ عقل و فہم کا امتحان ہے۔

خلاصۂ دعوت نبوی کفار دیگر اہل دنیا کی طرح ممکنات کے پیچھے پڑے ہوئے تھے۔ جن کا نفع و ضرر اذن الٰہی پر موقوف و منحصر ہے۔ بالذات نہ کوئی چیز نفع پہنچا سکتی ہے اور نہ کچھ نقصان کر سکتی ہے۔ پھر ان ممکنات کا یہ حال ہے کہ سب کی سب زوال پذیر اور فانی اشیاء ہیں۔ آج رہیں کل نہ رہیں۔ ایک چیز آج نفع دیتی ہے اور کل وہی شئے وبال جان بن جاتی ہے۔ نافع اور ضار حقیقت میں اللہ سبحانہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ جب تمام کائنات اپنے نفع و ضرر میں اجازت الٰہی کی محتاج ہے اور نفع مرغوب و محبوب ہے اور ضرر مکروہ و ناپسند تو ذات الٰہی تمام چیزوں کی اصل الاصول ٹھہری۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی جملہ تعلیمات کا خلاصہ یہی تھا کہ فانی کو چھوڑ دو اور باقی کو اختیار کرو۔ اللہ سبحانہ کی ذات ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ جنت اور اس کی نعمتیں پائدار ہیں اگر خداوند تعالیٰ شانہ کو راضی رکھو گے تو جنت اور اس کی نعمتوں سے سرفراز رہو گے۔ دنیا اور دنیوی نعمتوں سے مالا مال ہو گے۔ اور اگر تم نے اللہ سبحانہ کو ناراض رکھا تو پھر ہزار نعمتیں بھی حاصل ہوں تو ہیچ ہے۔ بلکہ اندیشہ ہے کہ جو

نعمتیں حاصل ہیں وہ بھی سلب کرلی جائیں۔ اور جو نعمتیں حاصل ہی نہیں ان کے حصول کا کیا ذکر ہے؟ اس حقیقت کو اہل ایمان سمجھ گئے اور بنی آدم کا ایک گروہ آپ کے ساتھ ہو گیا۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ وہ کیا سے کیا ہو گئے لیکن یہی بات کفار کی سمجھ میں نہ آئی اور اب تک نہ آئی۔ وہ اللہ کے منکر ہوئے یا قائل ہوئے بھی تو غیر اللہ کی پرستش سے باز نہ رہے۔ نتیجہ ظاہر ہے۔

ہدایت وضلالت کا فیصلہ اللہ سبحانہ نے فرمایا:۔ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۔ آپ کا پروردگار ہی خوب جانتا ہے اس کو جو اس کی راہ سے بھٹک گیا اور ان کو بھی خوب جانتا ہے جو راہ یافتہ ہیں۔" حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متبعین آپ کی بتائی ہوئی راہ پر چل رہے ہیں جو اللہ سبحانہ تک پہنچانے والی ہے اگر خود کو وہ ہدایت یافتہ کہتے ہیں تو وہ اس کے سزاوار اور مستحق ہیں لیکن وہ گروہ جو آپ کا منکر ہے۔ اللہ سبحانہ کی راہ چھوڑ کر غلط راستے پر پڑا ہوا اور اسی پر گامزن ہے اور با ایں ہمہ وہ اپنے آپ کو بہتر سمجھ رہا ہے تو اسکی عقل وفہم پہ جتنا ماتم کیا جائے کم ہے۔ ان دونوں فریق کا دعویٰ دنیا کی حد تک تو ایک طرح مشتبہ سا رہ سکتا ہے اور اہل دنیا کو شکوک وشبہات میں ڈال سکتا ہے۔

لیکن اللہ سبحانہ کے آگے کسی کی کچھ چل نہ سکیگی۔ دار آخرت دور نہیں۔ قیامت آنے والی ہے اس میں اہل حق کا حق اور اہل باطل کی گمراہی ظاہر ہو جائیگی۔ بلکہ یہ بتایا گیا کہ غزوہ بدر قریب آرہا ہے۔ اس دن ہی حق و باطل کا حال آپ اور وہ خود اپنی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِينَ ۝ وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ ۝ 68- 8 68-9

بس آپ بات نہ مانیں جھٹلانے والوں کی، وہ چاہتے ہیں کہ آپ ذرا ڈھیل دیں تو وہ بھی ڈھیلے ہوں"

مداہنت کی ممانعت جب یہ معلوم ہو چکا کہ اے نبی کریم! آپ راہ حق پر ہیں تو آپ ان مکذبین جھٹلانے والوں کی کوئی بات نہ سنیں۔ آپ تو تمام بنی آدم کے مخدوم و مطاع بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ ان سب کا یہ فریضہ ہے کہ آپ کی ہدایات و تعلیمات کو سنیں اور آپ کے اوامر و نواہی پر کاربند ہوں۔ پھر یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ آپ ان کی باتوں کو مان لیں۔ ان کی دلی خواہش یہ ہے کہ اے کاش! اگر آپ امر دین میں ڈھیل اور سستی و کاہلی سے کام لیں۔ غیر اللہ کی پرستش اور شرک سے جس شدت کے ساتھ آپ منع فرماتے ہیں کم از کم یہ شدت ہی چھوڑ دیں تو ان کی ایذا رسانی میں بھی کمی آجائے گی بلکہ آپ کا مقابلہ بالکلیہ چھوڑ دیں گے۔

چنانچہ کفار نے اس قسم کا لالچ بتانے کی بارہا کوشش کی۔ زر، زن، زمین کا پیشکش کیا۔ آپ کو بادشاہ تسلیم کر لینے کی ترغیب دی کچھ نہ ہوا تو شفیق چچا ابو طالب کو سمجھایا اور ان کے ذریعہ سفارش کرائی گئی مگر آپ کا جواب یہ تھا:۔ چچا جان! اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں آفتاب اور دوسرے ہاتھ میں ماہتاب بھی رکھ دیں تو میں اپنے فرض سے باز نہ آؤں گا"۔ بلکہ یہاں تک فرمایا کہ اگر آپ بھی میری رفاقت آج سے چھوڑ دیں تو اختیار ہے مگر فریضۂ الٰہی (تبلیغ دین) جو میرے ذمہ ہے میں اس سے کبھی باز نہ رہوں گا"۔ آپ کی اس ہمت اولوالعزمی ثبات و استقامت کو دیکھ کر چچا جان نے فرما دیا کہ رفاقت چھوڑنے کا مطلقاً خیال نہ کبھی پیدا ہوا اور نہ آئندہ کیلئے کبھی ایسا خیال آسکتا ہے صرف آپ کی تکلیف دور ہونا پیش نظر تھا اور بس۔

اس آیہ کریمہ سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ امور دینیہ میں "مداہنت" شرعاً حرام ہے۔

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ۙ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۢ بِنَمِيمٍ ۙ مَّنَّاعٍ 68- 10 68-11
لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ۙ عُتُلٍّۢ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ ۙ أَن كَانَ 68-12 68-13
ذَا مَالٍ وَبَنِينَ ۙ إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ ءَايَٰتُنَا قَالَ أَسَٰطِيرُ ٱلْأَوَّلِينَ ۙ 68-14 68-15

اور آپ کہا نہ مانئے کسی قسمیں کھانے والے ذلیل کا، طعنہ دے، چغلی کھاتا

پھرے، بھلے کام سے روکے، حد سے بڑھے گناہوں میں پڑا رہے، ان سب کے

باوجود بدنام اس واسطے کہ رکھتا ہے مال اور بیٹے، جب سنائے اس کو ہماری

آیتیں، کہے کہ یہ کہانیاں ہیں اگلوں کی۔"

قسمیں کھانا بد خلقی ہے بعض لوگوں کی عادت ہے کہ وہ بات بات پر قسمیں کھاتے ہیں بلکہ قسم کو تکیہ کلام بنا لیتے ہیں۔ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے:۔ ولا تجعلوا اللہ عرضۃ لایمانکم۔ اللہ سبحانہ کو اپنی قسموں کا تختۂ مشق نہ بناؤ۔" بات بات پر واللہ باللہ کہنا کوئی اچھی بات نہیں اللہ سبحانہ کا نام بڑا ہی باعزت اور باعظمت ہے۔ معمولی معمولی بات پر ایسا باعزت و باعظمت نام پاک نہ لینا چاہیے۔ شرع شریف میں حلف کا ایک خاص موقع بتایا گیا ہے۔ جبکہ کوئی شخص کسی پر کوئی دعوی دائر کرے اور دعوی کا ثبوت پیش کرنے سے قاصر رہے تو اس وقت مدعی علیہ سے دریافت کیا جاتا ہے اگر مدعی علیہ کو انکار ہو تو حاکم اس کو قسم دیتا ہے۔ اللہ والے اور شریف لوگ ایسے موقع پر بھی حلف اٹھانے کے لئے آمادہ نہیں ہوتے اس بنا پر کہ جس امر کا دعوی کیا گیا ہے وہ اللہ سبحانہ کے نام پاک کے مقابلہ میں نہایت حقیر و ذلیل ہے۔ مدعی کے

جھوٹے دعوی کی تکمیل کر دیتے ہیں مگر اللہ کے نام کی قسم نہیں کھاتے۔ اب اگر کوئی شخص بغیر کسی دعوے اور مطالبے کے بے محل اور بے موقع قسمیں کھایا کرے تو اندازہ کیا جائے کہ اس کے نزدیک اللہ سبحانہ کے نام پاک کی اور خود اللہ سبحانہ کی کیا وقعت و عظمت ہے؟ ایسے لوگ عموماً جھوٹ کہنے کے عادی ہوتے ہیں اور خود ہی یہ سمجھتے بھی ہیں کہ ان کی جھوٹی بات کو کوئی باور نہ کرے گا اس لئے اس کو صحیح باور کرانے کے لئے قسمیں کھاتے ہیں مگر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انکی بات کو کوئی باور تو نہیں کرتا بلکہ حلف اٹھا لینے پر مزید اطمینان ہو جاتا ہے کہ یہ محض جھوٹا ہے۔ پھر کیا ہوا اس کی بات کو کسی نے بھی صحیح باور نہ کیا جھوٹ کہنے اور جھوٹی قسم کھانے کا گناہ اس کے دوش پر رہا۔ اور آئندہ کے لئے اعتبار جاتا رہا۔

بات بات پر قسم کھانا اچھا نہیں

سچی باتوں اور حق پر قسمیں کھایا کرنا بھی کوئی عمدگی اور خوش اخلاقی کی دلیل نہیں چہ جائیکہ جھوٹ کہنے اور اس کو نباہنے کے لئے قسم کھائے۔ ایک جھوٹ کے لئے دس جھوٹ کہے پھر ناکامی کا منہ دیکھتا رہے۔ اور اپنا رہا سہا اعتبار اور وقار کھو ڈالے۔ اس سے بڑھ کر احمق کون ہوگا؟ بدخلقی کی جو باتیں ہیں اس کے سلسلہ میں سرفہرست

قسمیں کھانے کو قرار دیا گیا ہے اسی سے اس کی اہمیت ظاہر ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے:۔ الیمین الکاذبۃ تدع الدیار بلاقع۔ جھوٹی قسم ایسی بری بلا ہے جو بستیوں اور شہروں کو ویران کرکے چھوڑتی ہے"۔ اس آیۂ کریمہ میں یہ ہدایت فرمائی گئی ہے کہ بات بات پر بلا طلب قسم کھانے والوں کی بات پر اعتماد نہ کرو۔ اور ایسے لوگوں کی طرف دھیان نہ دیا کرو خواہ وہ امر حق پر قسمیں کھاتے ہوں یا باطل پر؟ ولید بن مغیرہ جو اشد کافر تھا اور جس نے حضورؐ کی شان مبارک میں مجنون کہنے کی گستاخی کی تھی اس کا جواب رب العزت کی طرف سے دیا جا رہا ہے کہ وہ ایک حلاف ہے قسمیں کھانے کا خوگر ہے اس کی بات ہی کیا۔ شرع شریف کا مسئلہ ہے کہ زیادہ قسمیں کھانا مکروہ ہے امر حق پر ہی کیوں نہ ہو۔

مَّهِينٍ کی تفسیر | مَّهِينٍ۔ نیز وہ ذلیل ہے۔ ہتک اس کی ذات کے ساتھ چسپاں ہے۔ وہ جہاں جہاں جاتا ہے اپنی ذاتی ہتک کو ساتھ ساتھ لئے پھرتا ہے۔ اس کے ہم چشموں میں اس کی کیسی ہی عزت و وقعت ہو لیکن اس کا وصف ذاتی اس سے کبھی منفک نہیں ہو سکتا۔ کہیں نہ کہیں اس کو ذلت کا منہ دیکھنا ہوگا اور جہاں ایک دفعہ ذلیل ہوا پھر اس کو کوئی عزت حاصل نہ ہوگی۔ مثل مشہور ہے:۔ کما تدین تدان۔ تم کسی کے ساتھ جیسا سلوک

کروگے ایسی ہی جزا کے مستوجب ہوگے"۔ ولید پلید نے اللہ سبحانہ کے محبوب من کیسا تھ ایسا گستاخانہ طرز اختیار کیا ہے تو وہ اللہ سبحانہ کی گرفت سے کس طرح بچ سکتا ہے؟

ھَمَّازٍ کی تفسیر

ھَمَّازٍ۔ عیب جو' عیب ڈھونڈنے والا۔ کھوج کرکر کے عیب نکالنے والا' نقلیں اتارنے والا' عیب کو اشاروں اشاروں میں بتانیوالا۔ اصل یہ ہے کہ جس کی نظر اپنے عیوب پر نہیں رہتی اور دوسروں کی عیب جوئی کرتا ہے۔ ایسوں کا وتیرہ ہوتا ہے کہ انسان کے کمالات اور ہنر پر ان کی نظر نہیں ہوتی۔ صرف عیوب کی تلاش میں رہتے ہیں۔ سبب کیا ہے؟ وہ خود عیب دار ہوتے ہیں۔ ہنرمندان کو ذرا سی دیر کے لئے بھی پسند نہیں آتے۔ ہنرمندوں سے بھاگتے ہیں۔ ان کو امن و چین وہیں نصیب ہوتا ہے جہاں ان جیسے بے ہنر' عیب دار ہوں۔ پھر کسی میں نرا ایک عیب ہو تو ممکن ہے کہ تلاش کرتے کرتے کسی کا کوئی عیب معلوم بھی ہو جائے۔ مگر جو حلاّف ہو قسمیں کھاتا ہو' مہین ہو۔ ذلیل بھی ہو' اور ان دو بڑی بڑی قباحتوں کے ساتھ ھَمَّاز بھی ہو۔ عیب جوئی کرتا ہو تو اس کی قباحت اور خباثت نہ پوچھئے۔ اگر اس کو بہتر سے بہترین شخصیت کے ساتھ بھی سابقہ پڑے اور وہاں چونکہ کوئی عیب موجود ہی نہیں تو اپنی احمقی کی بنا پر ایسی بے تکی بات کہہ جانے سے بھی دریغ نہ کرے جس کو کوئی باور ہی نہ کرتا ہو

ولید نے بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان مبارک میں جو گستاخانہ کلمہ کہہ دیا۔ وہ ازیں قبیل تھا جو ذات اقدس خلق عظیم کا طرۂ امتیاز رکھتی ہو اور اللہ سبحانہ جن کو دنیا و دین کی ساری گتھیاں سلجھانے کے لئے مبعوث فرمائے اور جن کے ہدایات عالیات قیامت تک آنے والی نسلوں کے لئے مشعل راہ ہوں ان کو کوئی احمق اور پاگل ہی مجنون کہہ سکتا ہے۔ کسی اور سے ایسی جسارت نہیں ہو سکتی۔ اخلاقی نقطہ نظر سے اندازہ کیجئے کہ یہ کتنی بری بات ہے۔

مَشَّآءٍۭ بِنَمِيمٍ کی تفسیر مَشَّآءٍۭ بِنَمِيمٍ چغل خور فساد پھیلانے کے ارادے سے یہاں کی بات وہاں وہاں کی یہاں پہنچانے والا۔ یا صرف یک طرفہ چغلی کھانے والا کہ یہاں کی بات تو دوسروں کو سناآتا ہے اور وہاں کی ایک بات بھی یہاں نہیں پہنچاتا۔ یہ پہلے سے بھی زیادہ خبیث ہے۔ یہ چغل خور بھی ہے اور جاسوس بھی۔ حدیث شریف ہے:- لایدخل الجنۃ نمام۔ کوئی چغل خور جنت میں نہ جانے پائے گا۔" اس کو کبائر کی فہرست میں شامل کیا گیا ہے۔ اگر کسی مسلمان کی ایسی عادت ہو تو حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ جب تک وہ اپنے اس گناہ کی سزا نہ پائے گا وہ جنت میں داخل نہ ہو سکے گا۔ لہٰذا اس بدترین گناہ سے توبہ کرنی چاہیئے۔ ہاں اگر اصلاح اور ہدایت کی نیت سے ایک جگہ کی بات دوسری جگہ پہنچائی جائے مثلاً مجلس وعظ یا درس کی

باتیں تو یہ چغلی نہیں ہے۔ یہ رشد و ہدایت کی باتیں ہیں ان کو یاد رکھ کے جہاں تک ہو سکے دوسروں تک پہنچائی جا سکتی ہیں۔ یہ تبلیغ ہے اور تبلیغ کے صاف و صریح احکام ہیں۔ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے:۔ یا یھا النبی بلّغ ما انزل الیک۔ اے نبی کریمؐ! آپ پر جو کچھ نازل کیا گیا ہے اس کو دوسروں تک پہنچاتے جائیے" اور حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:۔ بلّغوا عنّی ولو آیۃ۔ میری طرف سے احکام پہنچاتے رہو گو ایک ہی آیت ہو" یہ بھی فرمایا:۔ فلیبلّغ الشاھد الغائب جو حاضر ہے اور مشاہدہ کر رہا ہے وہ غائب تک ہمارا کلام پہنچا دیا کرے"۔ مگر ولید پلید کے یہ قسمت کہاں۔ اس پر تو شیطان سوار تھا۔ بھلائی کی طرف وہ کیوں آنے چلا؟۔

مَنَّاعٍ لِلْخَیْرِ کی تفسیر | مَنَّاعٍ لِلْخَیْرِ۔ بھلائی سے روکتا رہنے والا" خود تو کسی امر خیر میں شریک نہیں ہوتا اور نہ اس میں کوئی حصہ لینا۔ دوسرے اس میں شریک ہوتے ہیں۔ یا خیر میں حصہ لینے کے ارادے میں ہیں۔ تو یہ ان کے لئے مانع و مزاحم ہوتا ہے۔ اور کسی نہ کسی طرح دوسروں کو کار خیر سے روکنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ غور کیجیے کہ کار خیر سے دوسروں کو روکنا تو شیطان کا کام ہے۔ ابلیس لعین یہ کام کیا کرتا ہے۔ اگر کوئی انسان اس کو کیا کرے اور شیطانی کام انجام دے تو اس کو

انسان کس طرح کہا جائے گا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ شیطان الانس ہے۔ ولید کا بھی یہی حال تھا کہ خود کسی کار خیر میں کیا حصہ لیتا اگر کوئی دوسرا اس میں حصہ لیتا نظر آتا یا اس کی فکر میں رہتا تو یہ مختلف تدابیر سے اس کو باز رکھنے کی کوشش کیا کرتا۔ "خیر" عملی ہو یا اعتقادی۔ مال سے اس کا تعلق ہو یا نہ ہو۔ ہر امر خیر سے روکتا اس کا کام تھا۔ یہ عادت کیسی ہے دیکھ لیجئے۔

مُعْتَدٍ کی تفسیر "مُعْتَدٍ" حد سے تجاوز کرنے والا یعنی بڑا ظالم' حق کو چھوڑنے والا' خواہ وہ ظلم اپنے نفس پر کرتا ہو یا دوسروں پر' حقوق الناس سے اس کا تعلق ہو یا حقوق اللہ سے۔ اس کا خمیازہ دنیا وآخرت میں اسی کو بھگتنا ہوگا۔ اس لئے ہر ظلم اپنے ہی نفس پر ہوا۔ گویا جملہ اخلاق ذمیمہ اور بدخلقیوں کا مجموعہ۔ حد اعتدال سے جو کوئی ہٹ گیا خواہ افراط سے کام لے یا تفریط سے' وہ تجاوز کرنے والا قرار پایا۔

اَثِیْمٍ کی تفسیر اَثِیْمٍ۔ پرلے درجہ کا گناہ گار۔ ثواب کے کاموں سے پیچھے رہنے والا' اور موجب عذاب امور میں پیش قدمی کرنے والا' گناہوں میں ڈوبا ہوا۔ منہیات میں پڑا ہوا۔ اخلاق ردیہ کا خوگر اور عادات ذمیمہ کا دلدادہ' خواہشات نفسانی کا پیرو' اور صفات حسنہ سے دور رہنے والا بلکہ متنفر' اور بالفاظ دیگر ایسی قباحت رکھنے والا انسان' کہاں کا انسان' حقیقت یہ ہے کہ انسان نما شیطان۔

اسی نے ابوجہل کے کہنے پر بحالت نماز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوش مبارک پر اونٹ کی اوجھ رکھی تھی۔

عُتُلٍّ کی تفسیر عُتُلٍّ۔ جفاکار، تندخو، ہر امر میں شدت سے کام لینے والا۔ سنگدل، بدطبع، حضرت عبدالرحمٰن بن غنم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ لا یدخل الجنۃ جواظ ولا جعظری ولا العتل الزنیم فقال لہ رجل من المسلمین ما الجواظ الجعظری والعتل الزنیم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اما الجواظ فالذی جمع ومنع تدعوہ لظی نزاعۃ للشوی واما الجعظری فالفظ الغلیظ قال اللہ فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم ولو کنت فظا غلیظ القلب لانفضوا من حولک واما العتل الزنیم فشدید الخلق رحیب الجوف مصحح شروب واجد للطعام والشراب ظلوم للناس۔ (امام احمدؒ، عبد بن حمید، ابن ابی حاتم ابن مردویہ، ابن عساکر) کوئی جواظ، جعظری اور کوئی عتل زنیم جنت میں نہ جائے گا اس پر ایک مسلمان (یعنی ایک صحابی) نے دریافت کیا کہ جواظ، جعظری اور عتل زنیم سے کیا مراد ہے؟ ارشاد مبارک ہوا۔ جواظ وہ ہے جو خوب جمع کرے اور کسی کو نہ دے۔ اس کو دوزخ کی آگ کے شعلے دعوت دیتے ہوں گے جو اس کے گوشت کو

بھون کر تن سے جدا کرتے ہوں گے۔ اور جعظری سنگدل، تند خو ہے۔ اللہ سبحانہ نے
فرمایا ہے، یہ اللہ سبحانہ کی بڑی عنایت و مہربانی ہے کہ آپ (اے نبی کریم!) ان
لوگوں کے حق میں (فطرۃً) نرم خو واقع ہوئے ہیں، اور اگر کہیں تند خو، سنگدل ہوتے تو
یہ لوگ جو آپ کے اطراف (پروانہ وار نثار ہو رہے ہیں) ٹوٹ کر چلے جاتے۔
اور عتل زنیم زشت خو، بڑے پیٹ والا، جس کی صحت برقرار ہو، خوب پینے والا،
کھانے پینے کی ہر چیز جس کے ہاں مہیا ہو، لوگوں پر ظلم کرتے جانے والا" حضرت
حارثہ بن وہبؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو
یہ فرماتے سنا:۔ الا اخبرکم باھل الجنۃ کل ضعیف متضعف لو اقسم
علی اللہ لابرہ الا اخبرکم باھل النار کل عتل جواظ جعظری متکبر۔
(بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن مردویہ) کیا تمہیں نہ بتادوں کہ جنتی کون ہے؟
ہر کمزور، کمزور سمجھا جانے والا، اگر وہ اللہ سبحانہ کے بھروسے قسم کھالے تو وہ اس کی بات
پوری کردے۔ اور کیا تمہیں نہ بتاؤں کہ جہنمی کون ہے؟ ہر بدمزاج سیٹھیا، پیٹیلا،
مغرور" حضرت زید بن اسلمؓ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
فرمایا:۔ تبکی السماء من عبد اصح اللہ جسمہ وارحب جوفہ واعطاہ
من الدنیا فکان ظلوما للناس۔ فذلک العتل الزنیم۔ (عبدالرزاق

ابن جریر، ابن المنذر) آسمان روتا ہے اس بندے سے جس کے جسم کو اللہ سبحانہ نے صحت مند بنایا اور اس کا پیٹ کھول دیا اور اس کو دنیا کی ساری چیزیں دیں پھر بھی وہ لوگوں کے حق میں بڑا ظالم ثابت ہوا۔ عتلّ زنیم یہی ہے۔" یہاں صرف عتلّ کی تفسیر مقصود ہے۔ زنیم کی تفسیر آگے ملاحظہ ہو۔ بہر حال ولید بن مغیرہ شقی ایسا ہی تھا۔ یہ ساری باتیں اس میں پائی جاتی تھیں۔

زَنِیم کی تفسیر بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِیمٍ۔ باایں ہمہ وہ حرام زادہ ہے جس کے غب غبے نکلے ہوئے ہیں۔" یہاں بعد بمعنی مع ہے۔ یعنی ان تمام صفات مذمومہ کے ساتھ وہ ولد الزنا بھی ہے۔ اس کی پہچان یہ ہے کہ اس کے گلے کے نیچے کا گوشت لٹکتا ہوا ہے۔ جیسے بعض بکریوں کے گلے کے نیچے گوشت کے لوتھڑے بطور آویزے کے چھٹے ہوتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: — نزل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا تطع کل حلاف مھین ھمّاز مشّاء بنمیم فلم یعرف حتی نزل علیہ بعد ذلک زنیم فعرفناہ لہ زنمۃ کزنمۃ الشاۃ۔ (ابن جریر، ابن مردویہ) حضرت نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم پر آیات کریمہ ولا تطع کل حلاف مھین ھمّاز مشّاء بنمیم مناع للخیر معتد اثیم نازل ہوئیں تو کوئی نہ پہچان سکا کہ یہ کس کے باب میں ہیں تا آں کہ اس سلسلے کی

آخری آیت عتل بعد ذلک زنیم نازل ہوئی تو ہم سب اس کو پہچان گئے اس کے گلے کے نیچے کا گوشت لٹکا ہوا تھا جیسا کہ بکری کے گلے کے نیچے آویزے ہوتے ہیں۔" حضرت ابن عباسؓ نے اس کی مزید تفسیر یوں فرمائی: — رجل من قریش کانت لہ زنمۃ زائدۃ مثل زنمۃ الشاۃ یعرف بھا (بخاری، نسائی، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، ابونعیم) قریش میں ایک شخص تھا جس کو زائد رسولی تھی جیسے بکری کو ہوتی ہے۔ اسی سے اس کی شناخت ہوتی تھی۔"

ولید ولد الزنا ہے تفسیر زاہدی میں ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیات کریمہ قریش کی انجمن میں ولید کو سنائیں تو اس میں ایک ایک عیب کو وہ سنتا تو سمجھتا جاتا کہ یہ عیب مجھ میں موجود ہے مگر حرام زادگی کا بیان سن کر دل ہی دل میں کہنے لگا کہ میں سردار قریش ہوں، اور میرا باپ ایک مشہور و معروف شخص ہے اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ محمدؐ کبھی غلط نہیں کہتے ہیں۔ اس صورت حال کا حل کیا ہو سکتا ہے؟ بالآخر تلوار کھینچ کر اپنی ماں کے ہاں پہنچا اور سارا قصہ بیان کر کے حقیقت حال دریافت کی۔ ماں نے جواب دیا کہ تیرا باپ قادر نہ تھا۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر یہ مرجائے تو تمام دولت اس کے بھتیجوں کے ہاتھ لگ جائیگی اسلئے میں نے فلاں شخص کے غلام کو ملازم رکھ لیا۔

تو اسی سے ہے۔

تفسیر بیضاوی میں ہے :۔ کان الولید بن مغیرۃ ادّعاہ ابوہ بعد ثمانی عشر سنۃ من مولدہ۔ ولید بن مغیرہ کے باپ (مغیرہ) نے ولید کی فرزندی کا ادعاء اس کے پیدا ہونے سے اٹھارہ سال کے بعد کیا تھا۔"

مال و اولاد معیار اطاعت نہیں اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ۔ (ایسے کی ایک بات نہ مانئے) محض اس واسطے کہ وہ مالدار اور کثیر الاولاد ہے۔"

یعنی کسی کی اطاعت اس کے دین، اخلاق، کردار، علم و فضل اور منصف مزاجی وغیرہ صفات حسنہ کی بنا پر کی جاتی ہے۔ جس میں اچھے اوصاف نہ ہوں اور اس کی جگہ ایسے قبائح اور رذیل عادات جمع ہوں خواہ وہ اکتسابی ہوں یا جبلی اور فطری۔ وہ اس قابل نہیں کہ کوئی اس کی بات سنے۔

ولید بن مغیرہ بڑا مالدار تھا اور اولاد نرینہ بھی زیادہ رکھتا تھا۔ اور محض اس بنا پر سارے قبیلہ قریش میں خود کو بڑا معزز جتاتا تھا۔ خود کو "وحید قریش" کہتا۔ یعنی وہ تمام قریش میں یکتا ہے بلکہ یکتائے روزگار ہے۔ جاہل قریش کی کثرت تعداد اور کثرت مال پر ہی ہمیشہ فخر کرتے تھے۔ جیسا کہ کفار کا آج تک

یہی حال ہے۔ قالوا نحن اکثر اموالاً و اولاداً۔ ہمیشہ یہی کہا گیا ہے کہ ہم تمول کے اعتبار سے بھی دوسروں سے بڑھے ہوئے ہیں اور ہماری مردم شماری بھی زیادہ ہے۔"

علم و اخلاق معیار اطاعت ہے

اللہ سبحانہ نے اس کی نفی فرمادی کہ یہ تمول اور یہ کثرت کسی کام کی نہیں۔ مال و اولاد شرافت کی دلیل نہیں۔ انّ اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔ اللہ سبحانہ کے ہاں سب سے زیادہ باعزت وہی ہے جو سب سے زیادہ تقوی اور پرہیزگاری کا حامل ہو۔" اطاعت کی جاتی ہے علم و اخلاق کی بنا پر۔ جاہل اور بدخلق کی اطاعت موجب ہلاکت ہے اس لئے حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان آیات کریمہ کے ذریعہ تعلیم دی گئی کہ ایسے ذلیل حقیر کمینے اور نکمے کی ایک نہ سنیں جو تمام بداخلاقیوں کا جامع ہو۔ کیا محض اس کے تمول اور کثرت اولاد کی بنا پر اس کی بات مانی جائیگی؟ ہرگز نہیں۔ جاہل اگر اس کی بات مانتے ہیں اور اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں۔ خوشامد اور چاپلوسی کرتے ہیں تو وہ کیا کریں۔ جہلا کا فعل اہل علم باکمال سمجھدار دین داروں کے لئے حجت نہیں ہوسکتا۔ بلکہ اسی سے ان کا جہل ثابت ہوتا ہے کہ مال و دولت اور اولاد کی کثرت کو اطاعت کا معیار قرار دے رکھا ہے

درحالیکہ اطاعت کا معیار ہی جدا ہے۔ ولید کے مال و اولاد کا بیان سورۂ مدثر کی تفسیر میں آئے گا۔ ان شاء اللہ المستعان۔

اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ۔ جب ہماری کتاب کی آیات اس کو سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے کہ یہ اگلے لوگوں کی من گھڑت کہانیاں ہیں۔" دنیا جانتی ہے کہ قرآن کریم میں حقائق و معارف اور حکمت کی باتیں بیان ہوتی ہیں اور ہر بات جچی تلی۔ جس امر میں جتنی خوبی ہے اس کو نمایاں کرنا اور جس میں جس قدر خرابی ہے اس کو بھی قرار واقعی طور پر واضح کر دینا قرآن حکیم کا کام ہے۔ اسی وجہ سے تو ہر جملہ کی تعبیر آیت سے کی گئی کہ اس کا ایک ایک جملہ بلکہ ایک ایک کلمہ اور ایک ایک حرف معجزہ ہے۔ ایسا کلام پیش کرنا طاقت بشری سے باہر ہے۔ شاعری نہیں کہ تنکے کا پہاڑ بنا کر کھڑا کر دیا یا کسی چیز کو گھٹانا چاہا تو اس کو معدوم یا ناکارہ بنا کر رکھ دیا۔ ایسا معجز کلام اس احمق کی نظر میں من گھڑت کہانی ہے۔

سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ۝ "اب داغ دیں گے ہم اس کو سونڈ پر۔" 68-16

خرطوم کی تفسیر | یعنی یہ تمام مذموم صفات اپنے اندر رکھتے ہوئے وہ ہماری آیات کو "اساطیر الاولین" کہتا ہے اور یہ سب کچھ اتنی سی بات پر کہ وہ بڑا دولتمند ہے اور کثیر اولاد نرینہ رکھتا ہے۔ جس کو دیکھ کر جہلائے قریش اس کا گیت گاتے ہیں

اور یہ ان میں ناک پھلاتا، خنزیر اور ہاتھی کی سونڈ کی طرح بڑی ناک لئے اتراتا پھرتا ہے ہم اس کو معاف نہ کریں گے وہ وقت قریب ہے کہ ہم اسکی سونڈ پر داغ لگائینگے

گستاخی کی سزا ابو العالیہ اور مجاہد فرماتے ہیں:۔ یسود وجھہ فیجعل له علما فی الآخرة یعرف به وهو سواد الوجه۔ (مظہری) اس کا منہ کالا ہوگا اور آخرت میں یہی اس کی نشانی ہوگی جس سے وہ عام طور پر رو سیاہی سے پہچانا جائے گا۔" فراء امام نحو فرماتے ہیں کہ ناک کا ذکر کر کے یہاں چہرہ مراد لیا گیا ہے۔ اور قتادہ فرماتے ہیں:۔ سنسمه بسیما لا تفارقه آخر ما علیه۔ (عبد بن حمید) ہم ایک ایسا نشان اس پر لگا دیں گے جو اس سے کبھی جدا نہ ہوگا۔ (اس کے سزایاب ہونے کے لئے) آخر تک قائم رہیگا۔" اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ فقاتل یوم بدر فخطم بالسیف فی القتال۔ (ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ) غزوۂ بدر میں آکر مسلمانوں سے لڑ رہا تو دوران جنگ میں اس کی ناک پر تلوار کی زد پڑی " واللہ اعلم۔

گستاخ سے عبرت اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ بزرگوں کی شان میں گستاخی کرنے کا کیا نتیجہ ہوتا ہے؟ ولید پلید نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کی شان گرامی میں ایک کلمہ گستاخانہ کہا تو رب العزت جل جلالہ نے
اوس کی ایک ایک، پوشیدہ بات ایسی ظاہر فرمادی کہ اوس سے ولید دل ہی
دل میں قائل ہوتا گیا۔ سب کے اخیر میں اس کا وہ عیب بتا دیا گیا جس کا داغ
قیامت تک دھویا نہیں جا سکتا۔ کہ خود اس کی ماں نے اس کو بتلا دیا کہ وہ کس کا
نطفہ تھا۔ اور ایسے بلیغ انداز میں اس کا نقشہ کھینچکر رکھ دیا گیا کہ آنے والی
نسلیں قیامت تک اس کو پڑھتی اور اس پر نفریں کرتی رہینگی۔ سچ ہے
انبیاء اللہ اور بزرگوں کے ساتھ گستاخی کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ عارف
رومی رحؒ فرماتے ہیں :۔

از خدا خواہیم توفیق ادب بے ادب محروم ماند از لطف ربؔ
بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

حضور کی شان گرامی یہیں سے حضور سرور دوجہاں علیہ الف الف
صلوات الرحمن کی رفعت شان کا پتہ چلتا ہے کہ کس خوبی سے اس الزام کو
رفع کیا گیا۔ اور آپ کے خلق عظیم کو سراہا گیا کہ ساری دنیا مل کر بھی اس خلق
عظیم کا نمونہ پیش کرنا چاہے تو اس کا ایک عشر عشیر بھی پیش نہیں کر سکتی :۔

فمبلغ العلم فیه انه بشرٌ وانه خیر خلق الله کلّهم

حضورؐ کی ذات اقدس کو جاننے والے صرف اسی قدر جان سکتے ہیں کہ آپ بشر ہیں
پر اللہ سبحانہ کی تمام مخلوق سے بہترین۔" سید الشیوخؒ فرماتے ہیں: ؎

ہو جیسے سنگ میں یاقوت احمر   بشر میں آپ بھی خیر البشر ہو

صلی اللہ علیٰ طور التجلیات الاحسانیۃ ومہبط الاسرار الرحمانیۃ

إِنَّا بَلَوْنَاهُمْ كَمَا بَلَوْنَا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ ۚ إِذْ أَقْسَمُوا لَيَصْرِمُنَّهَا 68-17
مُصْبِحِينَ ۙ وَلَا يَسْتَثْنُونَ ۝ فَطَافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ مِّنْ 68-18 68-19
رَّبِّكَ وَهُمْ نَائِمُونَ ۝ فَأَصْبَحَتْ كَالصَّرِيمِ ۙ فَتَنَادَوْا 68-20 68-21
مُصْبِحِينَ ۙ أَنِ اغْدُوا عَلَىٰ حَرْثِكُمْ إِنْ كُنتُمْ صَارِمِينَ ۝ 68-22

ہم نے ان کو جانچا ہے، جیسا جانچا تھا باغ والوں کو، جب ان سب نے
قسم کھائی کہ اس کا میوہ توڑیں گے صبح ہوتے، اور ان شاء اللہ نہ کہا پھر پھر گیا
اس پر ایک پھیری والا آپ کے رب کا، اور وہ سوتے ہی رہے پھر صبح تک ہو رہا
جیسے ٹوٹ چکا، پھر آپس میں بولے صبح ہوتے کہ سویرے چلو اپنے کھیت پر، اگر
تم کو توڑنا ہے۔"

قریش پر ہفت سالہ قحط

ایذاؤں پر صبر کیا جا سکتا ہے لیکن گستاخی پر
درگزر نہیں کیا جا سکتا۔ کہتے ہیں کہ ولید کی اس گستاخی اور قریش کی اسکی

موافقت اور ساتھ دینے کی بنا پر حضرت سید العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بددعا فرمائی :۔ اللّٰھمّ اشدد وطأتک علی مضر واجعلھا علیھم سنین کسنی یوسفؑ۔ الٰہی ! مُضَر قبیلہ پر اپنی پامالی سخت کیجئے اس طرح کہ ان پر قحط سالی ڈالی جائے جیسی کہ یوسفؑ کے عہد میں ہوئی تھی "۔ جس کا سلسلہ سات سال تک رہا تھا۔ ارباب سیر نے لکھا ہے کہ ان بنا پر مکہ والوں پر قحط کا زبردست ہفت سالہ دور پڑا۔ حتی اکلوا العظام والجیف۔ اتنا زبردست قحط کہ مکہ والے "ہڈیاں اور مُردار تک کھانے لگے "۔ اسی واقعہ کی طرف یہاں اشارہ فرمایا جا رہا ہے۔

باغ والوں کا منصوبہ | ہم نے ان کو ایک سخت آزمائش میں مبتلا کر دیا ہے جیسا کہ باغ والوں کو اس کا مزہ چکھایا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں :۔

ھم ناس من الحبشۃ کانت لابیھم جنّۃ وکان یطعم منھا السائلین فمات ابوھم فقال بنوہ ان کان ابونا لاحمق یطعم المساکین فاقسموا لیصرمنّھا مصبحین وان لا یطعموا مسکینا (ابن المنذر، ابن ابی حاتم) یہ لوگ حبشہ کے باشندے تھے (بعض روایات میں یہ واقعہ بنی اسرائیل وغیرہ کا بھی لکھا ہے) جن کے باپ کا ایک باغ تھا۔ (جس میں غلہ میوہ سب کچھ پیداوار ہوتی ہوگی) اس بیچارے کی عادت تھی کہ پیداوار میں سے

فقراء و مساکین کو بھی (حق اللہ کے طور پر دل کھول کے) کھلایا کرتا (اور اس داد و
دہش کی بدولت پیداوار میں خوب برکت رہتی) بعض روایات میں ہے کہ وہ اپنے
اور اپنے اہل و عیال اور متعلقین کے لئے سال بھر کا ذخیرہ محفوظ کر کے ما بقی حصہ خیرات
کر دیا کرتا تھا۔ جب اس کی وفات ہو گئی تو اس کے بیٹوں نے کہا کہ ہمارا باپ
احمق تھا جو (اپنی گاڑھی کمائی) فقراء و مساکین کو کھلا دیتا تھا تمام بیٹوں نے
حلف اٹھایا کہ (اب پیداوار کاٹ لینے اور پھل توڑنے کا وقت آ چکا ہے) کل
صبح سویرے ہی پہنچکر ساری پیداوار کاٹ کر لا لیں گے (اور اپنے گھر بھر لیں گے)
اور فقراء و مساکین کو ایک دانہ تک نہ دیں گے۔" مگر ہوا یہ کہ اس موقع پر انشاء اللہ
تک نہ کہا۔ اِدھر ان لوگوں نے یہ قرارداد طے کی اور اُدھر یہ واقعہ پیش آیا کہ
رات کو ابھی یہ سوتے ہی پڑے تھے۔ پروردگار عالم کی طرف سے باغ پر ایسی آفت
آن پڑی کہ رات ہی کو سارا باغ تباہ و برباد ہو گیا۔ وہ آفت کیا تھی؟ اس میں
مختلف اقوال ہیں۔ آگ، عذاب، بلائے محیط جو بھی ہو۔ اب یہ صبح اٹھ کر ایک
دوسرے کو آواز دینے لگے کہ کھیتی کاٹ لینا اور پھل توڑ لینا طے ہوا تھا اس بموجب
عمل کرنا ہے تو سویرے جلدی سے چلو۔

فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ۝ اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ 68-23 68-24

مِّسْكِيْنٌ ۙ وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ ○ پھر چلے آپس میں آہستہ آہستہ 68-25

کہتے ہوئے کہ اندر نہ آنے پائے آج اس (باغ) میں کوئی محتاج، اور سویرے چلے

لپکتے ہوئے زور کے ساتھ۔"

باغ کی طرف روانگی | چنانچہ قرارداد کے مطابق وہ سب گھر سے چلے اور

آپس میں کانا پھوسی کرتے جا رہے تھے کہ چپ چاپ چلے چلو تاکہ کوئی مفلس، بھکاری

عہ حردہ یحردہ بالکسر حردا قصدہ ومنعہ کلاھما عن ابن الاعرابی وقد فسر بھما

قولہ تعالی وغدوا علی حرد قادرین۔ وحرد یحرد حرودا اذا تنحی واعتزل عن قومہ

ونزل منفردا لم یخالطھم وحرد علیہ کضرب وسمع حردا محرکۃ

وحردا کلاھما غضب (تاج العروس) حردہ یحردہ حردا باب ضرب سے کسی چیز کا

قصد کرنے اور منع کرنے کے معنی میں آتا ہے یہ دونوں معنی ابن اعرابی سے منقول ہیں۔ ارشاد

باری تعالی وغدوا علی حرد قادرین کی تفسیر میں یہ دونوں معنی ملحوظ ہیں۔ اور حرد

یحرد حرودا اس وقت کہتے ہیں جبکہ کوئی شخص اپنی قوم سے کنارہ کش ہو کر ان سے علحدگی

اختیار کرے اور کہیں جا کر کسی سے ملے بغیر تنہا مقیم ہو جائے اور حرد علیہ حَرْدا و

حَرَدا اس موقع پر کہتے ہیں جب وہ غضبناک ہو جائے۔ فقیر عرض کرتا ہے کہ یہاں یہ سب معانی

پائے جاتے ہیں واللہ اعلم۔

آج ہمارے باغ میں آنے نہ پائے۔ وہ صبح دم چل رہے تھے تو سب سے الگ تھلگ ہو کر بڑے جوش کے ساتھ جا رہے تھے کہ آج اپنے دیرینہ ارادے اور منصوبے کی تکمیل پوری کامیابی سے کر سکیں گے۔" ان کے گھر سے نکلنے کے پیشتر ہی وہاں جو صورت حال درپیش ہو چکی تھی اس کی انھیں کیا خبر تھی؟ بہر حال وہ مسکینوں پر خار کھائے ہوئے اندھیرا رہنے پر بھی یہ باتیں کرتے ہوئے تیز تیز باغ کے پاس پہنچ گئے۔

فَلَمَّا رَأَوْهَا قَالُوٓا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ۙ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ۝ 68-26
68-27
قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ 68-28
اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ 68-29

پھر جب اس کو دیکھا، بولے ہم تو راہ بھول آئے، نہیں ہماری قسمت پھوٹی

بولا منجھلا ان کا، میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ کیوں نہیں پاکی بولتے (اللہ کی)؟ بولے

کہا پاک ذات ہے ہمارے رب کی، ہم ہی قصور وار تھے۔"

باغ کی تباہی پر چہ میگوئیاں ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ سب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ باغ کا کچھ پتہ نہیں۔ ایسی تباہی آئی ہے کہ نشان تک باقی نہیں ہے۔ کہنے لگے کہ ہم تاریکی اور جلدی میں راستہ بھول گئے ہم کسی اور طرف نکل آئے ہیں۔ پھر غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ باغ کے اطراف کی علامتیں اور نشان تب تک موجود ہیں۔ صرف باغ کا وجود نہیں ہے۔ سمجھ گئے کہ راستہ نہیں بھولے۔

آئے ہیں اسی مقام پر لیکن باغ کا صفایا ہو گیا ہے۔ بولنے لگے کہ ہماری قسمت پھوٹی ہے کہ پھل اور پیداوار بھی گئی اور باغ بھی نہ رہا۔ پوری طرح محروم اور بے نصیب رہ گئے ہیں۔ جس وقت یہ لوگ اپنا منصوبہ بنا رہے تھے اور قسم کھا کھا کر کہے جاتے تھے لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ۔ صبحدم یہاں پہنچکر تمام پھل توڑ لیں گے اور ساری پیداوار کاٹ لیں گے ان کے منجھلے بھائی نے جو ایک منصف مزاج واقع ہوا تھا کہہ رہا تھا کہ ایسا کرنا چاہتے ہو تو انشاء اللہ کہو مگر جوش جنون جو سر پر سوار تھا وہ کب اس کی اجازت دیتا تھا۔ اس کی ایک نہ سنی۔ اب اسکو موقع ملا تو کہنے لگا کیوں میں نے آپ لوگوں سے کہا نہ تھا کہ اللہ کی پاکی کیوں نہیں بیان کرتے؟ یعنی اپنے مدعا کو اللہ سبحانہ کے حوالے کیوں نہیں کرتے؟۔

ابن جریج فرماتے ہیں: ۔۔۔ وکان التسبیح استثناؤھم کما نقول نحن ان شآء اللہ ۔ (ابن المنذر) اپنی مراد کو اللہ سبحانہ کے حوالے کرنے کا طریقہ ان لوگوں کے عہد میں سبحان اللہ یا سبحان ربنا کہنا ہوتا تھا جیسا کہ ایسے موقع پر ہم ان شآء اللہ کہتے ہیں۔“ اسی طرح ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے: ۔۔۔ کان استثناؤھم فی ذلک الزمان التسبیح ۔ اُس زمانے میں ان کے اپنے ذمہ سے نکلنے کا طریقہ تسبیح تھا۔“ بہرحال اپنے منجھلے بھائی کی تقریر سن کر سب قائل ہوگئے۔ کہنے لگے کہ ہمارا پروردگار تمام عیوب سے پاک ہے یقیناً ہم ہی ظالم تھے کہ مساکین و فقراء کا حق مار کھانے کی تدبیر کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نفع کے ساتھ اس المال بھی تباہ ہوگیا۔ پیداوار بھی گئی اور باغ بھی نہ رہا۔ بعض مفسرین نے اَوْسَطُھُمْ کا ترجمہ اَعْدَلُھُمْ یعنی ”انصاف پسند“ کیا تھ کیا ہے۔ خواہ وہ بڑا ہو یا منجھلا یا چھوٹا۔

بعض نے یہ تصریح بھی فرمائی ہے کہ ایک نے کہا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ۔ ”ہم راستہ بھول گئے ہیں“ دوسرے نے کہا بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ۔ نہیں ہم محروم رکھے گئے۔“ تیسرے نے کہا: ۔ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ ۔ کیا میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ تسبیح کیوں نہیں پڑھتے یعنی اللہ سبحانہ پر کیوں نہیں چھوڑتے۔“

فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ۝ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ 68- 30
68-31
اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ۝ عَسٰى رَبُّنَآ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا 68-32
رٰغِبُوْنَ ۝ پھر ایک دوسرے کی طرف رخ کر کے ملامت کرنے لگے، بولے ہائے

خرابی ہماری، ہم ہی تھے حد سے بڑھنے والے، امید ہے کہ ہمارا رب بدل دے ہم کو اس سے بہتر (باغ) ہم اپنے رب سے امید رکھتے ہیں ۔

باغ کی تباہی پر پچھتاوا جب نتیجہ محرومی کا آنکھوں نے دیکھ لیا تو ایسے موقع پر عموماً جیسا ہوتا ہے ایک دوسرے پر الزام دینے لگے کہ تمھارے کہنے سے ایسا ہوا۔ کوئی بھی خود کو ملامت نہ کرتا تھا جب کسی نے الزام قبول نہ کیا اور تباہی محرومی سب کے سامنے تھی سب کہنے لگے کہ ہم ہی حد سے بڑھے ہوئے تھے۔ اللہ کے حکم سے سرکشی کی۔ اس اعتراف قصور کے بعد دعائیں کرنے لگے کہ جو ہوا وہ ہوا اب بھی ہم کو اللہ سبحانہٗ کی رحمت اور اس کے فضل سے امید ہے کہ تباہ شدہ باغ اور کھیتی کے بدلے اللہ ہم کو اس سے بہتر باغ اور کھیتی دے سکتا ہے، ہم اسی کے فضل و رحمت کے امیدوار ہیں۔

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ یہ ایک صالح باپ کی اولاد تھی۔ جس سے باقتضائے بشریت یا حرص و ہوا کی بنا پر غلطی ہو گئی۔ اور اس کا خمیازہ بھی

بھگتنا پڑا۔ پھر ساتھ ہی چونک گئے اور اعترافِ قصور کر کے رجوع الی اللہ کیا۔ اور رحمت و فضل باری کے امیدوار بنے رہے۔ اگر اس پر قائم رہیں تو امید ہو سکتی ہے کہ تاریخ اپنا ورق الٹے، سیاق کلام پاک سے بظاہر یہی سمجھا جا سکتا ہے۔ اور اگر ایسا اعتراف صرف وقتیہ طور پر لوگوں کو دکھانے، سنانے کے لئے ہو تو پھر اس باب میں کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ آئندہ کیا ہو گا؟ معمرؒ کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت قتادہؓ سے دریافت کیا:۔ امن اھل الجنّة هم ام من اھل النار قال لقد کلّفتنی تعبا۔ (ابن المنذر) یہ لوگ کیا جنتی (مسلمان) تھے یا دوزخی (کافر)؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ تم نے مجھے تھکا دینے والی تکلیف دی۔" یعنی میں کس طرح بتا سکتا ہوں کہ وہ کون تھے؟ قطعی جواب نہیں دیا جا سکتا۔ یہاں باغ والوں کا قصہ ختم ہوا۔

68-33 كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۖ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ ع ۳ ۱/۲

یوں ہی آتی ہے آفت، اور آخرت کی آفت تو سب سے بڑی ہے۔ کاش وہ جانتے۔"

عذاب آخرت اب باری تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہو رہا ہے کہ اوپر جو واقعہ بیان ہوا وہ تو صرف دنیوی آفت تھی ان باغ والوں کی طرح، ہم نے قریش کو بھی ہفت سالہ آفت قحط میں مبتلا کیا ہے، یہ بھی صرف دنیوی آفت ہے اگر یہ ابھی

چونک جائیں اور رجوع الی اللہ ہوں تو ان کے لئے موقع ہے۔ ورنہ اگر ایک عذاب آنے والا ہے۔ رہا آخرت کا عذاب' وہ تو تمام آفات دنیوی اور عذاب آسمانی ان سب سے سخت تر ہے۔ اب بھی یقین جانیں تو غنیمت ہے۔

قریش اور باغ والوں کی مماثلت ولید اپنے مال و اولاد پر اترا رہا تھا۔ اور اسی گھمنڈ میں رہنے کی وجہ سے حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصیحت اس پر موثر نہیں ہو رہی تھی۔ قریش کا حال بھی تقریباً یہی تھا۔ اللہ سبحانہ نے اس واقعہ کے ذریعہ سمجھا دیا کہ مال و اولاد کس درجہ ناقابل اعتماد ہے۔ ایک صالح کا مال اور اس کی اولاد کا حال آن کی آن میں ذرا سی بدنیتی اور کوتاہ اندیشی یا حرص و ہوس کی بنا پر کس طرح تہیدستی اور محرومی کے ساتھ مبدل ہوا وہ اس واقعہ سے ظاہر ہے۔ اس کے مقابل ایک کافر او راشد کافر کا مال اور اس کی اولاد کا کیا ٹھکانا ہے اور اس پر کیا اعتماد کیا جا سکتا ہے اس کو خوب سمجھ لیا جائے۔ جب یہ مال و اولاد دنیا ہی میں کارآمد نہیں تو آخرت میں کیا کام آئے گی' اندازہ کر لیجئے۔

68-34

اِنَّ لِلۡمُتَّقِیۡنَ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ جَنّٰتِ النَّعِیۡمِ ۝ بے شک ڈرنے والوں کو ان کے رب کے پاس باغ ہیں نعمت کے "

متقین پر فضل الٰہی | بدنیت لوگوں اور کفار کا حال بیان کردینے کے بعد خدا سے ڈرنے والوں کا حال سنایا جارہا ہے کہ متقیوں کے لئے' ان کے رب کے ہاں ایک نہیں کئی کئی باغات ہوں گے۔ دنیا والوں کے باغ میں معمولی پھول پھل اور غلہ کے سوا اور کیا دھرا ہے جس میں زمین کی صلاحیت' اور آب و ہوا کی مناسبت کے لحاظ سے کچھ محدود پیداوار ہوجاتی ہے۔ اس میں بھی قدم قدم پر اقسام کے اندیشے لگے ہوئے ہیں۔ تخم ریزی سے لے کر پیداوار ہاتھ آنے اور فروخت ہونے تک طرح طرح کے مراحل درپیش ہوتے ہیں۔ قسمت یاوری کرے اور نیت اچھی ہو تو خیر ہے ورنہ فکر اور محنت کے سوا کچھ نہیں۔ بخلاف اس کے جن کو خوف خدا ہو تو یہی خوش قسمتی ہے اگر یہ نعمت حاصل ہے تو دنیا بھی اچھی اور آخرت بھی۔ اگر دنیا حاصل نہ ہو تو بھی کچھ غم نہیں۔ عاقبت بخیر ہے وہاں کے باغات کا کیا پوچھنا۔ ہر نوع کی بیش بہا نعمتیں ان میں موجود ہیں۔ مالاعین رأت ولا اذن سمعت ولاخطر علی قلب بشر۔ جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ ان سے کسی کے کان آشنا ہوئے اور نہ ان کا خطرہ کسی کے دل میں گزرا" پھر اس کے ساتھ ولکم فیھا ما تشتھیہ الانفس و تلذ الاعین وانتم فیھا خالدون۔ اور تمہارے لئے ان میں وہ سب کچھ

نعمتیں مہیا ہیں جن کو جی چاہے۔ اور جن سے آنکھیں لطف اندوز ہوں اور تم سب ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہو گے"۔

عند ربّھم کی تفسیر یہاں عِندَ رَبِّهِم سے مراد قرب مکانی نہیں ہے کیونکہ اللہ سبحانہ کی ذات، جہت اور حیّز اور مکان سے منزہ ہے بلکہ قرب منزلت اور تشریفی مراد ہے۔ راغب اصبہانی لکھتے ہیں:۔ عند لفظ موضوع للقرب فتارۃ یستعمل فی المکان وتارۃ یستعمل فی الاعتقاد نحو عندی کذا وتارۃ فی الزلفی والمنزلۃ کقولہ تعالیٰ بل احیآء عند ربھم وعلی ذلک قیل الملائکۃ المقربون۔ لفظ "عِندَ" قرب اور نزدیکی کے معنی کے لئے وضع ہوا ہے۔ اب اس کا استعمال کبھی تو قرب مکانی کے لئے ہوتا ہے اور کبھی قرب اعتقادی کے لئے۔ جیسا کہتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ بات ایسی ہے۔ یعنی اس بارے میں میرا اعتقاد ایسا ہے۔ اور کبھی قرب منزلت و مرتبہ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جیسا کہ حق سبحانہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ بل احیآء عند ربّھم یعنی شہداء فی سبیل اللہ کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں یعنی ان کا مرتبہ و منزلت اللہ کے پاس ایسی ہی ہے جیسی زندوں کی منزلت و مرتبت۔ اسی بنا پر فرشتوں کو ملائکہ مقربین کہتے ہیں" یعنی ان کو قرب منزلت و مرتبت حاصل ہے۔ یہاں بھی

عندربھم سے یہی منزلت مراد ہے۔

68-35 اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِیْنَ کَالْمُجْرِمِیْنَ ۝ مَا لَکُمْ کَیْفَ تَحْکُمُوْنَ ۝
68-36

کیا ہم بنادیں گے حکم ماننے والوں کو گنہگاروں کے برابر تم کو کیا ہو گیا ہے کیسا حکم لگاتے ہو۔

کفار کے ایک شبہہ کا ازالہ متقین پر آخرت میں جو فضل الٰہی بتایا گیا کہ ان کے لئے نعمتوں والے باغات مہیا ہیں تو اس کو سن کر کفار کہنے لگے کہ آخرت کا بیان جو آپ ہمیشہ کیا کرتے ہیں اول تو یہ قابل تسلیم نہیں۔ اور اگر بالفرض مان لیا جائے کہ آخرت کا عالم بھی درپیش ہے اور یہ بھی مان لیا جائے کہ اس میں مسلمانوں کو باغات ملیں گے نعمتوں سے بھرے ہوئے تو ہم کو اس سے کہیں زیادہ ملیگا۔ کیونکہ ہمارے حال پر دنیا ہی میں ایسی عنایت رہی ہے جو مسلمانوں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ہے تو آخرت میں ہمارے لطف کا کوئی ٹھکانا نہ ہوگا۔ اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ متقی اور مجرم کا فرق ہی تم نے دریافت نہیں کیا۔ متقی وہ ہے جو اپنی مرضی پر رضائے الٰہی کو ترجیح دیتا ہے۔ اللہ کا جو حکم ہوتا ہے اس کو بجا لاتا ہے اور اس کو جس امر سے منع کیا جاتا ہے اس سے باز رہتا ہے۔ بخلاف اس کے وہ جو اوامر الٰہی اور اس کے نواہی کی پرواہ نہ کرے اور اپنے جی میں جو آئے وہ کرتا رہے تو وہ مجرم ہے۔ اطاعت گزار اور مجرم میں بہت بڑا فرق ہے، تو کیا اطاعت گزار اور مجرم دونوں یکساں ہیں؟

اس یکسانیت کا فیصلہ جو تم نے کرلیا ہے کیا یہ عقل وانصاف کی بات ہے تم دوسروں کو
مجنون کہہ کر خود جو فیصلہ کررہے ہو کیا یہ مجنونانہ اور احمقانہ فیصلہ نہیں ہے؟ کیا
عقل سلیم اس کو تسلیم کرتی ہے، یا انصاف اس کا مقتضی ہے؟

اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ ۝ اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ ۝ 68- 37
68-38

کیا تمھارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں تم پڑھا کرتے ہیں، اس میں یہ لکھا ہو کہ تم کو
وہی ملیگا جو تم پسند کرتے جاؤ۔"

کفار سے دلیل نقلی کا مطالبہ ثواب آخرت کا حال، کتاب الٰہی سے معلوم ہوتا
ہے یا اللہ کے پیغمبروں کی زبانی، عقل وقیاس سے ثواب دریافت نہیں ہوتا۔ یہ ایک
مسلم امر ہے۔ لہذا بتاؤ کہ آخرت میں تم کو ایسی نعمتیں ملنے کا حال، کہاں سے معلوم ہو گیا
کیا کسی کتاب آسمانی میں ایسا لکھا ہے کہ کوئی انسان پرلے درجے کا مجرم ہی کیوں نہو
اس پر اللہ سبحانہ کے ایسے الطاف رہیں گے۔ اور مجرمین آخرت میں جو جو خواہشات
اور فرمائشات کرتے جائیں گے، ان کی مرضی کے مطابق تعمیل ہوتی رہیگی؟ اگر ایسا لکھا
ہے اور تم اس کو پڑھا کرتے ہو تو بتاؤ کہاں لکھا ہے؟

ظاہر ہے کہ کفار قریش نرے جاہل تھے۔ پورے جزیرۃ العرب میں جہالت کا
دور دورہ تھا، نہ پڑھنا جانیں نہ لکھنا، علم وہنر سے کوسوں دور۔ وہ کتاب کیا جانیں

اور قلم کس طرح لیتے ہیں، انھیں کیا معلوم؟ صرف لاف زنی کیا کرتے تھے۔ مجنونانہ بڑ اور احمقانہ بکواس کے سوا ان کے پاس تھا کیا؟ پھر اس سوال کا جواب وہ کیا دے سکتے؟ اور کوئی دوسرا بھی اس کا کیا جواب دے سکتا؟

اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۙ اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ۚ ﴿۳۹﴾ سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيْمٌ ۚ ﴿۴۰﴾ کیا تم نے ہم سے قسمیں لی ہیں ٹھیک پہنچنے والی قیامت کے دن تک کہ تم کو ملیگا جو کچھ ٹھہراؤ گے؟ پوچھیے ان سے کونسا ان میں اس کا ذمہ لیتا ہے۔"

68-39
68-40

کفار سے دستاویزی ثبوت کا مطالبہ اگر کسی آسمانی کتاب میں ایسا کہیں نہیں لکھا ہے نہ سہی، کیا تم نے ہم سے زبانی کوئی قسم (عہد و پیمان) لیا ہے قیامت تک کے لئے کہ تم دنیا میں جب تک رہو جو چاہو کرتے رہو اس کی نسبت ہم کو کسی نوع کی باز پرس کرنے کا کوئی حق نہ ہوگا۔ اور قیامت کے بعد جب تم آؤ گے تو اس وقت بھی تم کو وہ سب کچھ ملتا رہیگا جو تم حکم لگاؤ؟ اگر ایسا قیامت تک کا کوئی معاہدہ طے پائے کے تم مدعی ہو تو اے نبی کریم! آپ ہی ان سے دریافت کیجئے ان میں کون ہے جو خود کو اس کا ذمہ دار بتاتا ہو۔ ظاہر ہے کہ اس کے جواب میں بھی وہ کسی کو بتا نہیں سکتے اور اگر کسی کو ہٹ دھرمی سے بتائیں بھی تو وہ سامنے نہیں آسکتا کہ میں نے ایسا

معاہدہ طے کرایا ہے۔

نکتہ سَلْهُمْ کا خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کرنے میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ یہ نالائق ہمارے خطاب کے قابل بھی نہیں ہیں اس لئے ہم ان سے ہم کلام نہ ہوں گے۔ آپ ہی دریافت فرمالیجئے۔ یہ خداوند تعالیٰ شانہ کے کمال ناراضی کی دلیل ہے کہ وہ اپنے شرک وکفر کی وجہ سے اپنی قدر ومنزلت کھو چکے ہیں۔

أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ ۚ فَلْيَأْتُوا بِشُرَكَائِهِمْ إِن كَانُوا صَادِقِينَ ٥ 68-41

کیا ان کے واسطے کوئی شریک ہیں پھر تو چاہئے کہ لے آئیں اپنے اپنے شریکوں کو اگر وہ سچے ہیں "

کفار سے تقلیدی ثبوت کا مطالبہ مسلم اور مجرم، فرماں بردار اور نافرمان دونوں ایک درجے پر ہونے کے دعوے پر اگر کوئی دلیل عقلی یا نقلی نہیں مل سکتی تو آخری صورت تقلید کی رہ جاتی ہے کہ محض کسی کا دیکھا دیکھی کوئی کام یا کلام کیا جائے گو ایسی نری تقلید جو اقتضائے عقل ونقل کے خلاف ہو حجت نہیں قرار پا سکتی۔ بریں ہم بدرجۂ تنزل ان سے یہ سوال کیجئے کہ جن چیزوں کو انھوں نے ہمارا شریک ٹھہرالیا ہے کیا وہ ایسا کہتے ہیں کہ مطیع اور عاصی، حق ماننے والا اور منکر دونوں برابر ہیں؟ یا یہ کہ ان کے دیوتا اپنے زور سے ان کو ایسے باغات دلادیں گے؟ اول تو اللہ سبحانہ کا کوئی شریک نہیں اور جن اوثان و اصنام کو ان لوگوں نے شریک بنالیا ہے وہ ان شریک بنانے والوں سے بھی زیادہ

عاجز اور ذلیل ہیں۔ مشرک تو انسان ہے اور شریک ایک پتھر ہے تراشیدہ یا نا تراشیدہ وہ کیا بنائے گا اور کیا دلائے گا؟ اس سے ثابت ہو چکا کہ ان کفار و مشرکین کا یہ دعویٰ کہ جب مسلمانوں کو آخرت میں باغات ملیں گے تو ہم کو ان سے زیادہ باغات ملیں گے اور ان کے مقابلے میں ہم ہی زیادہ مورد الطاف و عنایات ہوں گے۔ یہ ایسا دعویٰ ہے جو عقل، نقل، اور تقلیدی حیثیت سے بھی مردود ہے۔

یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّیُدْعَوْنَ اِلَی السُّجُوْدِ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ۙ 68-42

خَاشِعَۃً اَبْصَارُھُمْ تَرْھَقُھُمْ ذِلَّۃٌ ؕ وَقَدْ کَانُوْا یُدْعَوْنَ اِلَی السُّجُوْدِ 68-43

وَھُمْ سٰلِمُوْنَ ۝ جس دن کھولی جائے پنڈلی، اور وہ بلائے جائیں سجدہ کرنے کو، پھر وہ نہ کر سکیں، جھکی پڑتی ہونگی ان کی آنکھیں، چڑھی آتی ہوگی ان پر ذلت، اور پہلے ان کو بلاتے رہے سجدہ کرنے کو اور وہ تھے اچھے خاصے۔"

ساق کی پہلی تفسیر

یکشف عن ساق کی تفسیر دو طرح سے کی گئی ہے۔ ایک وہ جو حضرت ابوسعید خدریؓ نے فرمایا کہ میں نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ ارشاد فرماتے تھے:۔ یکشف ربنا عن ساقه فیسجد له كل مؤمن و مؤمنة و يبقى من كان يسجد في الدنيا رياء و سمعة فيذهب ليسجد فيعود ظهره طبقا واحدا (بخاری، مسلم، نسائی، ابن المنذر، ابن مردویہ) اللہ سبحانہٗ

اپنی ساق کھول دیگا اس پر فوراً ہی ہر ایمان دار مرد اور ایمان دار عورت تو سجدہ کریگی اب صرف وہ لوگ رہ جائیں گے جو دنیا میں دکھاوے اور سناوے کے لئے سجدہ کیا کرتے تھے وہ بھی سجدہ کرنے جائیں گے تو ان کی پیٹھ تختہ ہوجائے گی"۔ یعنی ان کی پیٹھ کے منکے ایک سیخ کی طرح ایک دوسرے سے مل جائیں گے جس کے باعث ان سے سجدہ نہ ہوسکیگا۔

کشف ساق سے تجلی مراد ہے اس روایت کی رو سے لفظ ساق سے مراد' اللہ سبحانہ کی کوئی صفت اور تجلی کا ظہور ہوگا۔ اور یہ کلمہ متشابہات سے قرار پائے گا جس کا حقیقی علم اللہ سبحانہ کے سوا اور کسی کو نہیں ہے۔ جیسا کہ ید اللہ اور وجہ اللہ وغیرہ متشابہات کی نسبت حکم ہے کہ ہم اس پر بلا کیف ایمان رکھیں اور اس کی تحقیق میں جاکر مزید پریشان نہوں کہ ید اللہ یا وجہ اللہ کیا ہے۔ یوں سمجھیں کہ ایک تجلی خاص ہوگی اور ایک صفت خاص کا ظہور ہوگا اور سب ایمان دار اس کے آگے سر بسجود ہوجائینگے۔

چنانچہ ابو موسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آیۂ کریمہ یوم یکشف عن ساق کی تفسیر میں فرمایا:۔ یوم یکشف عن ساق قال عن نور عظیم فیخرون له سجدا۔ (ابو یعلیٰ ابن جریر ابن المنذر ابن مردویہ بیہقی ابن عساکر) ایک نور عظیم ظاہر ہوگا جس کے آگے سب سجدے میں گر پڑیں گے"۔

ساق کی دوسری تفسیر دوسری تفسیر حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے:۔

یکشف عن امر عظیم ثم قال قد قامت الحرب علی ساق۔ (فریابی سعید بن منصور
ابن مندہ، بیہقی من طریق ابراہیم النخعی) ایک امر عظیم یعنی بہت بڑا حادثہ ظہور پذیر ہوگا۔
عرب کا محاورہ ہے وہ کہتے ہیں: ــ قد قامت الحرب علی ساق۔ جنگ زوروں پر
ہونے لگی "۔ یہ بھی فرمایا: ــ ھو الامر الشدید المفظع من الھول یوم القیامۃ۔
(ابن ابی حاتم، بیہقی) وہ بڑی شدت والا حادثہ ہے جو قیامت کے دن اپنی ہولناکی سے
گھبرا دینے والا ہوگا"۔ حین یکشف الامر و تبدو الاعمال وکشفہ دخول الآخرۃ
وکشف الامر عنہ۔ (بیہقی) جس وقت حقیقت حال کھل جائیگی اور تمام اعمال
(کھلے چھپے) سب کے سب ظاہر ہو جائیں گے اور اس کا ظہور ہی آخرت کا آغاز ہوگا اور
اس کی حقیقت کا کھل جانا ہوگا"۔ پھر حضرت ابن عباسؓ نے ایک اصول تفسیر یہ بیان
فرمادیا: ــ اذا خفی علیکم شیئ من القرآن فابتغوہ فی الشعر فانّہ
دیوان العرب۔ اما سمعتم قول الشاعر وقامت الحرب بنا علی ساق۔
(عبد بن حمید، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، حاکم بروایت صحیحہ، بیہقی من طریق عکرمہ) جب قرآن میں
کوئی مقام تم پر کھل نہ سکے تو شعرائے عرب کے کلام میں اس کو ڈھونڈھ لیا کرو کیوں کہ وہ
عرب کا دفتر ہے۔ کیا تم نے شاعر کا یہ قول نہیں سنا، وہ کہتا ہے: ــ وقامت الحرب
بنا علی ساق۔ یعنی ہماری لڑائی بہت زوروں پر قائم ہوگئی۔ یعنی خوب

جنگ ہونے لگی" اس اعتبار سے آیۂ کریمہ کے معنی یہ ہوں گے اس دن کو یاد کرو جب کہ قیامت کی شدت اور ہولناکی زوروں پر ہوگی"

اہلِ محشر کو دعوتِ سجود وَ یُدۡعَوۡنَ اِلَی السُّجُوۡدِ فَلَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ

اور وہ بلائے جائیں گے سجدہ کرنے کو پھر وہ نہ کر سکیں گے" جب قیامت کی شدت زوروں پر ہوگی اس وقت سب لوگ سجدہ کرنے کیلئے بلائے جائینگے تاکہ مومن اور غیر مومن کا فرق علی رؤس الاشہاد معلوم ہو جائے اور کسی کو کوئی عذر باقی نہ رہے۔ جو کافر یا منافق ہونگے وہ بھی سجدہ کرنے جائینگے مگر ان سے یہ ہو نہ سکیگا۔

اہلِ ایمان فوراً سجدہ کرینگے کفار سے یہ نہ ہو سکیگا حضرت قتادہ فرماتے ہیں:۔ ذکر لنا ان نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یقول یؤذن للمؤمنین یوم القیامۃ فی السجود فیسجد المومنون وبین کل مؤمنین منافق فیتعسر ظہر المنافق عن السجود ویجعل اللہ سجود المؤمنین علیھم توبیخا وصغارا وذلا وندامۃ وحسرۃ (عبد بن حمید) ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ قیامت کے دن مومنین کو سجدہ کرنے کا حکم ہوگا تو وہ فوراً سجدے میں چلے جائیں گے۔ اور ہر دو ایمان والوں کے درمیان ایک منافق رکھا جائے گا اس وقت منافق کی پیٹھ کے لئے سجدہ دشوار ہو جائے گا۔ اور ایمان والوں کا سجدہ منافقین کے حق میں زجر و توبیخ حقارت

ذلت اور ندامت وحسرت کا باعث ثابت ہوگا"۔ منافقین دیکھیں گے کہ ان کے داہنے بائیں جو اہل ایمان ہیں وہ حکم کے ساتھ ہی بے تکلف سجدے میں چلے گئے۔ ان کا دیکھا دیکھی انھوں نے بھی سجدہ کرنا چاہا تو پیٹھ ایسی سخت ہوگئی کہ اس میں خمیدگی اور جھکاؤ کا نام تک نہیں۔ پیٹھ جھکنے ہی نہیں دیتی۔ اس حالت میں ان کے لئے زجر و توبیخ اور حقارت و ذلت کے خطاب کے سوا اور کیا توقع ہوسکتی ہے' نیز ندامت اور حسرت کا منہ دیکھنے کے سوا اور کیا چارۂ کار رہ جاتا ہے؟ ۔

کفار و منافقین کی رسوائی خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ۔

جھکی پڑتی ہونگی ان کی آنکھیں چڑھی آتی ہوگی ان پر ذلت"۔ جب دیکھا کہ اپنے دونوں بازوؤں پر جو مسلمان تھے انھوں نے تو حکم کے ساتھ ہی بے ساختہ سجدہ کرلیا اور یہ خود اگرچہ سجدہ کرنا چاہتے تھے' پر کچھ بھی نہ ہوسکا۔ رب العزت جل جلالہ کا حکم سننے پر بھی یہ کھڑے کے کھڑے رہ گئے ہیں تو مارے ندامت وحسرت کے نظریں نیچی ہوجائینگی آنکھ میں آنکھ ملانے کی ہمت نہ ہوسکیگی اور دنیا میں جس قدر زور بتاتے تھے۔ بلکہ یہاں تک کہہ دیا تھا لئن رجعنا الی المدینة لیخرجن الاعز منها الاذل۔ جب ہم لوٹ کر مدینے آئیں گے تو جو بڑے باعزت ہیں (یعنی ہم) تمام بے عزت ذلیلوں کو نکال باہر کردینگے"۔ آج ان کو اپنی ذلت پر ذلت دکھائی دیتی ہوگی۔

دنیا میں دعوت سجود اور کفار کا انکار

وَ قَدْ کَانُوْا یُدْعَوْنَ اِلَی السُّجُوْدِ وَ هُمْ سٰلِمُوْنَ۔

دعوت سجود تو سجدوں کو دیجا رہی تھی اس حال میں کہ سب صحیح وسالم تھے" یعنی جو لوگ میدان قیامت میں آج مجتمع ہیں۔ ایک زمانہ ان پر ایسا بھی آچکا ہے کہ یہ دنیا میں آباد تھے۔ ان کو پنجگانہ نمازوں کے موقع پر دعوت سجود روزانہ دیجاتی تھی۔ کفار کا کیا ذکر کہ وہ نماز اور سجدہ کا نام کیوں لینے لگے جبکہ خدا اور رسول اور ان کی دعوت ہی کو قبول نہ کیا۔ مسجد کو آنے والے دو گروہ تھے۔ ایک مومنین مخلصین دوسرے منافقین۔ لیکن ان کے آنے آنے میں بھی ایسا ہی فرق تھا جیسا ان کی حقیقت میں۔ مومن مخلص کا یہ حال تھا کہ وہ اپنے گھر میں ہو یا کسی کام میں لگا ہوا ہو اذان کے انتظار میں گوش بر آواز تھا۔ ادھر اذاں سنی ادھر نہایت ذوق و شوق کے ساتھ آ حاضر ہوا خواہ اس کا کاروبار کتنا ہی اہم ہو اس کو ملتوی کر دیا۔ اس کو اللہ سبحانہ کا حکم معلوم ہے۔ یٰاَیُّھَا الذین آمنوا اذا نودی للصلاۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ و ذروا البیع ذلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون۔ اے ایمان والو! جب نماز کے لئے اذاں کہی جائے جمعہ کے دن تو اللہ کا ذکر (خطبہ سننے کے لئے) تیزی سے روانہ ہو جاؤ۔ اور خرید و فروخت سب کچھ چھوڑو یہی تمہارے لئے (دنیا و مافیہا سے) بہتر ہے اگر تم یقین رکھتے ہو" گو یہ حکم

نماز جمعہ کا ہے لیکن دوسری نمازوں کا بھی یہی حکم ہے جمعہ کا اہتمام زیادہ کرنا
چاہیئے۔ مومنین مخلصین سوئے ہوئے بھی ہوتے تو الصلاۃ خیر من النوم کی
آواز پر اٹھ کھڑے ہوتے۔

دنیا میں منافقین کا حال | منافقین کا حال یہ تھا۔ واذا نادیتم
الی الصلاۃ اتخذ وھا ھزوا ولعبا۔ اور جب تم نماز کی دعوت کے لئے
اذاں کہتے ہو تو یہ اس کو ایک مذاق اور استہزاء اور لہو ولعب قرار دیتے ہیں۔"
موذن اور اس کی آواز کا بلکہ نماز کا اور جماعت کا مذاق اڑاتے ہیں۔ نماز
کیا ہے گویا ان کی نظر میں ایک کھیل تماشا ہے۔ واذا قاموا الی الصلوۃ
قاموا کسالی یرآءون الناس ولا یذکرون اللہ الا قلیلا۔ اور
جب نماز کے لئے اٹھتے بھی تو نہایت کسلمندی اور سستی کے ساتھ اٹھتے۔ صرف لوگوں کو
اپنی حاضری دکھاتے ہیں۔ رہا اللہ کا ذکر وہ تو کچھ بھی نہیں کرتے۔"

حضرت ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں:۔ الرجل یسمع الاذان فلا یجیب
الصلاۃ۔ (بیہقی) (منافقین میں کا) ایک ایک شخص اذاں سنتا اور سننے
کے بعد بھی نماز کو نہ آتا۔" اور آیا بھی تو نہایت سست قدم کہ نماز کا وقت کیا
آیا ایک مصیبت آن پڑی۔ پھر نماز میں شامل ہوا تو اس کو قراءت، تسبیح

تشہد اور درود دعاو استغفار سے کیا غرض صرف حاضری دینی مقصود تھی۔ جو دیجا چکی اور
بس۔ اسی حال میں عمر گزری۔ مسلمہ اصول ہے جس کو حضرت مولائے کائنات نے فرمایا:۔
کما تعیشون تموتون وکما تموتون تبعثون۔ جیسی زندگی ایسی موت اور جیسی موت
ایسا حشر۔ اب قیامت میں رب العزت جل جلالہ کے حضور میں سجدہ کرنے کی نوبت ہے۔
سجدہ کرنا بھی چاہتے ہیں تو پیٹھ تختہ ہے۔ پھر سجدہ کہاں؟ یہی ارشاد ہو رہا ہے کہ جب
ان کے اعضاء صحیح سالم تھے۔ تمام قوی اور صلاحیتیں بحال تھیں تو انھوں نے سجدہ نہ کیا
اب تو پیٹھ ہی تختہ ہے۔ سجدے کا کیا ذکر؟ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

دعوت سجود اور سلف صالحین دنیا میں سلف صالحین کا یہ حال تھا کہ ان کی نماز تو
کیا فوت ہوتی۔ جماعت بلکہ تکبیر تحریمہ تک فوت نہیں ہوتی تھی۔ اگر کسی کی کبھی تکبیر تحریمہ
چھوٹ جاتی یعنی امام کے ساتھ کوئی تکبیر تحریمہ میں شریک نہ ہوسکتا تو دوسرے لوگ اس کو
تین دن تک پرسہ دیتے رہتے اور اس کی تعزیت کرتے اور اگر کسی کی جماعت چھوٹ
جاتی تو ایک ہفتہ تک تعزیت کا سلسلہ جاری رہتا۔ تکبیر تحریمہ چھوٹ جانا یا کبھی جماعت کا
فوت ہوجانا ان کے نزدیک ایسا تھا گویا ان کے گھر کوئی بڑا حادثہ پیش آیا۔ یا یہ کہ کوئی
میت ہوگئی۔ اللہ اکبر۔ ارشاد باری ہو رہا ہے:۔

فَذَرْنِي وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ 68-44

لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ وَ اُمْلِیْ لَهُمْ ؕ اِنَّ کَیْدِیْ مَتِیْنٌ ۝ آپ چھوڑ دیجئے مجھکو اور 68-45

ان کو جو جھٹلاتے ہیں اس بات کو اب ہم سیڑھی سیڑھی اتاریں گے ان کو جہاں سے انکو

خبر بھی نہ ہوگی اور ان کو ڈھیل دیے جاتا ہوں بے شک میری خفیہ تدبیر بہت پکی ہے"۔

مال و اولاد کی کثرت بھی امتحان ہے حضرت سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب ہو رہا ہے کہ کفار و منافقین کے اس رویہ سے آپ دلگیر نہ ہوں۔ ان مکذبین کی سزا ہی کو ہم پر چھوڑ دیجئے۔ ان کا خیال ہے کہ وہ ترقی کے بڑے اعلیٰ درجہ پر ہیں۔ ان کی شان بہت بڑھی ہوئی ہے۔ ہم ان کو ایک ایک سیڑھی نیچے اتارتے جائیں گے اس طرح کہ ان کو خبر تک نہ ہو۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ مال و دولت اور اولاد و مردم شماری کی یہ کثرت ان کے حق میں مفید ہے جبھی تو وہ اس پر اترا رہے ہیں۔ ہم اسی کو ان کے تنزل اور پستی کا سبب گردانیں گے اور اسی دولت و کثرت میں مبتلا رکھ کر ڈھیل دیتے جائیں گے تا آنکہ ان کی غفلت اور تمرد کی انتہا ہوگی تو ایک دم ان کو گرفتار عذاب کرلیں گے۔ ہماری ڈھیل اور ہماری تدبیر اتنی پختہ ہے کہ وہ اس سے نکل ہی نہ سکیں گے۔

گناہ پر نعمت ملنا ابتلاء ہے علمائے کرام فرماتے ہیں:۔ من ارتکب المعصیۃ فعوقب علیھا بمصیبۃ فی الدنیا یرجی مغفرۃ ذنبہ ومن

ارتکب المعصیۃ ثم یری علیہ ازدیاد النعمۃ یخشی علیہ المکر والاستدراج

نعوذ باللہ منہ۔ جس نے کسی گناہ کا ارتکاب کیا اور ساتھ ہی اس کو دنیا میں اس کی سزا مل گئی تو یہ امید کیجا سکتی ہے کہ اس کا گناہ بخش دیا جائے گا۔ اور اگر کوئی ایسا ہے کہ وہ گناہوں کا ارتکاب کرتا جا رہا ہے اور برابر اس پر نعمتوں کی بارش ہو رہی ہے تو یہ اندیشہ لگا ہوا ہے کہ یہ صورت حال کہیں اللہ سبحانہ کی ڈھیل اور اس کو ایکدم پھانس لینے کی تدبیر نہ ہو۔ اللہ ہم سب مسلمانوں کو اس سے اپنی پناہ میں رکھے۔" آمین

اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ۝ اَمْ عِنْدَهُمُ 68-46
الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ۝ کیا آپ مانگتے ہیں ان سے کوئی عوض کہ ان پر کسی 68-47

"تاوان کا بوجھ پڑ رہا ہے، کیا ان کے پاس غیب کی خبر ہے جسکو وہ لکھ لاتے ہیں"

اعراض کا سبب | حضرت سید العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب ہو رہا ہے کہ ان کفار کا اعراض آپ کی تعلیمات سے کس بنا پر ہے اور نہایت تعجب اور افسوس کا اظہار فرمایا جا رہا ہے کہ انسان کسی کی تعلیم کو قبول نہیں کرتا تو اس کے دو وجوہ ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ معلمین اپنی تعلیم کا کوئی معاوضہ، تنخواہ وغیرہ طلب کرتے ہیں تو لوگ اس کو زبردستی کا ایک تاوان اور ڈنڈ خیال کر کے حصول تعلیم سے پہلو تہی کرتے ہیں کہ یہ صرفہ مفت میں کیوں برداشت کریں؟ ہم نے کوئی گناہ تو نہیں کیا ہے پھر یہ ڈنڈ

کیوں بھریں؟ ایسا خیال تعلیم کی قدر نہ جاننے والوں کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے۔ رہے وہ جو اس کے قدرداں ہوتے ہیں وہ مصارف تعلیم سے کبھی پہلو تہی نہیں کرتے۔ علم ہے ایسی متاع عزیز کہ حاصل کرنے کے لئے تن من دھن کی بازی لگائی جاتی ہے۔ مثل مشہور ہے۔ العلم لا یعطیك بعضہ حتّٰی تعطیہ کلّك۔ علم وہ جوہر ہے کہ جب تک تم اس کے لئے اپنا کُل نہ دے ڈالو وہ اپنا بعض حصہ تم کو نہ دیگا۔"

اعراض کا دوسرا سبب دوسرا سبب کسی سے تعلیم نہ حاصل کرنے کا یہ ہوتا ہے کہ یہ علم خود ان کو کسی اور ذریعہ سے حاصل ہو سکتا ہے تو خواہ مخواہ کسی شخص خاص سے کیوں حاصل کیا جائے۔ اس مدرسہ یا جامعہ میں نہ سہی کسی دوسرے مدرسے یا جامعہ میں شریک ہو سکتے ہیں۔ یا اس استاذ سے نہ سہی کسی دوسرے استاذ سے سیکھ لیں گے۔ یا اس معلم نے جس استاذ یا درس گاہ سے تعلیم حاصل کی ہے ہم بھی وہاں رجوع ہوں گے۔ اسی کے مدنظر کمال تاسف و تعجب سے استفسار فرمایا جا رہا ہے کہ عالم غیب کے علوم و اسرار جس طرح حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر منکشف ہو رہے ہیں اور نشر و اشاعت پا رہے ہیں اسی طرح کفار کیا یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ علوم و اسرار راست طور پر ہم بھی وہیں سے معلوم کر سکتے ہیں جہاں سے آپ نے حاصل کیا ہے۔

کفار پر تعجب و تاسف اب یہاں جو صورت حال درپیش ہے ان میں سے

ایک کا بھی وجود نہیں۔ نہ تو حضورِ انور کسی سے تبلیغ احکامِ الٰہی کا کچھ معاوضہ طلب فرماتے ہیں اور نہ ان کافروں پر غیب کا دروازہ کھلا ہوا ہے جہاں سے وہ اللہ سبحانہ کے احکام و ہدایات لکھ لیا کریں اور اس سے مستفید ہوں۔ جب یہ دونوں باتیں بھی یہاں نہیں پائی جاتیں تو معلوم ہوا کہ یہ سب کچھ ان کفار کا جہل و عناد ہے۔ اور ان کا اعراض محض لغو اور باطل ہے۔

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ إِذْ نَادَىٰ وَهُوَ 68- 48

مَكْظُومٌ ۝ لَوْلَا أَنْ تَدَارَكَهُ نِعْمَةٌ مِنْ رَبِّهِ لَنُبِذَ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ

68-49

مَذْمُومٌ ۝ فَاجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَجَعَلَهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ۝ آپ استقلال سے 68-50

راہ دیکھتے رہیں اپنے رب کے حکم کی اور نہ ہوں مچھلی والے کی طرح، جب انھوں نے پکارا غصے میں بھر کر، اگر نہ سنبھالتا ان کو احسان ان کے رب کا تو وہ پڑے رہتے چٹیل میدان میں الزام کھا کر، پھر نوازا ان کو ان کے پروردگار نے، پھر برقرار رکھا ان کو نیکوں میں ۔

یونسؑ کا واقعہ حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد ہو رہا ہے کہ آپ انتظار فرمائیں کہ ان کافروں کے باب میں آپ کے پروردگار کا کیا حکم ہونے والا ہے؟ اس میں عجلت نہ فرمائیے جیسا کہ مچھلی والے (حضرت یونس علیہ السلام) نے عجلت کی تھی کہ

ان کو نینوی کے باشندوں کی طرف بھیجا گیا۔ وہ وہاں جا کر اللہ سبحانہ کا پیام پہنچاتے رہے۔ جب اس قوم نے نہ مانا تو ان کو تین دن کی مہلت دی۔ یہ مدت بھی ختم ہونے لگی اور کوئی اثر ہدایت کا انھوں نے قبول نہ کیا تو وہاں سے نکل گئے۔ اس باب میں کوئی حکم اللہ سبحانہ کے پاس سے نہ ملا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کے چلے جانے کے بعد قوم کو یقین ہو گیا کہ اب عذاب آتا ہے۔ وہ سب کے سب اپنی عورتوں بچوں وغیرہ کو لے کر ایک میدان میں جمع ہو گئے اور سب مل کر آہ وزاری کرنے لگے' دعائیں مانگتے تھے کہ الٰہی! ہم پر رحم فرمایئے کرم فرمائیے۔ ہم نے آپ کی نافرمانی کی اور آپ کے بھیجے ہوئے ہادی اور ناصح کی بات نہ مانی بڑا قصور کیا۔ اگر ہمارا یہ قصور عفو فرما دیا جائے تو آئندہ آپ کی ہر بات ماننے کو تیار ہیں۔ یہ صورت حال بالکل ایسی ہی تھی جیسے استسقاء کے موقع پر ہوا کرتا ہے کہ عموماً سب لوگ ایک میدان میں آ کر دعا کرتے ہیں اور پانی برستا ہے۔ اللہ سبحانہ کو یہ ادا پسند آئی اور عذاب رُک گیا۔

یونسؑ کا کشتی میں سوار ہو جانا حضرت یونس علیہ السلام نے دیکھا کہ تین دن گزر چکے مگر عذاب نہ آیا' اب سوچا کہ قوم کو کیا منہ دکھاؤں ایک جہاز کہیں جانے کے لئے تیار تھا۔ اس میں سوار ہو گئے۔ جہاز روانہ ہو کر ایک جگہ رُک گیا۔ نہ منزل مقصود کی طرف بڑھتا اور نہ جہاں سے چلا تھا وہاں واپس ہوتا۔ جہاز راں نے کہا کہ اس میں کوئی بھگوڑا غلام ہے

جب تک اس کو دریا میں نہ پھینک دیا جائے یہ آفت دور نہ ہوگی۔ یہ سنتے ہی حضرت یونس علیہ السلام نے اپنے آپ کو پیش کر دیا کہ وہ بھگوڑا غلام یہی ہے اس کو دریا میں پھینک دیا جائے۔ مگر جہاز راں نے آپ کی مقدس شخصیت کے پیش نظر اس کو باور کیا۔ بالآخر تین دفعہ قرعہ ڈالا گیا اور ہر دفعہ آپ ہی کا نام نکلتا رہا۔ مجبوراً آپ کو دریا میں پھینک دیا گیا۔ پھینکنا ہی تھا کہ ایک مچھلی منہ کھولی کھڑی تھی۔ اس نے فوراً لقمہ بنالیا اور تہ نشیں ہو گئی۔ ادھر حکم ہوا کہ یونس محفوظ رہیں۔ چنانچہ چالیس دن آپ مچھلی کے پیٹ میں رہے۔ دعا و تضرع کا سلسلہ جاری تھا۔ آخر یہ دعا فرمائی: لآ الٰہ الآ انت سبحانك انی کنت من الظالمین۔ بارالہا! آپ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ آپ کی ذات پاک ہے یقیناً میں ہی ظالموں میں سے ہوں۔" آپ کی یہ دعا سن لی گئی اور نہ صرف آپ کے حق میں بلکہ وعدہ دیا گیا کہ آئندہ بھی جو کوئی یہ دعا کرے اس کو بھی اسی طرح نجات دی جائیگی۔ اس کے بعد آپ کو نینوا اور اس کے مضافات پر بھی نبی رسول بنا کر بھیجا گیا۔ جہاں کی مردم شماری ایک لاکھ تھی۔ بچوں کا شمار کیا جائے تو تعداد میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔

صبر و انتظار کا حکم اسی واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا جارہا ہے کہ یونسؑ تو غصے میں بھرے ہوئے اپنی قوم سے ناراض ہو کر ہمارے حکم کا انتظار کئے بغیر چل دئے تھے۔

پھر ان پر جو کچھ گزری گزری جب وہ مچھلی کے پیٹ سے نکال کر لب دریا جنگل میں ڈال دئے گئے تو اس وقت بھی ان کی تسبیح جاری تھی۔ اسی کی بدولت نعمت الٰہی نے ان کا رخ کیا۔ ورنہ وہ وہیں پڑے رہتے اور ان کا الزام دفع نہ ہوتا مگر ہم نے ان کو اپنی نعمتوں سے نوازا۔ اور اس قوم کی ہدایت کیلئے پھر انہی کا انتخاب کیا اور نینوا کے ساتھ اسکے مضافات کی نبوت ورسالت سے بھی سرفراز کیا۔ لیکن اس ابتلا و آزمائش کی نوبت محض ان کی جلد بازی کی بنا پر آئی۔ اے نبی کریم! آپ ان کی طرح عجلت نہ فرمائیں بلکہ ہر امر میں ہمارے حکم کے منتظر رہیں۔ گو یہ انتظا کیسا ہی صبر آزما ہو۔

وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا 3- 51
ع ۲ ۱۵ ۶ الذِّكْرَ وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ○ وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ 3-52

اور منکر تو آپ کو ہٹا دینے کے درپے ہیں اپنی نظریں لگا کر جب سنتے ہیں نصیحت اور کہتے ہیں وہ تو دیوانے ہیں۔ اور نہیں ہے یہ قرآن مگر نصیحت سارے جہانوں کیلئے "

قرآن سنکر کفار کا غیظ و غضب

اے نبی کریم! یہ لوگ جب ہماری یادگار کتاب جو سرتاپا نصیحت ہی نصیحت ہے آپ سے سنتے ہیں تو نہایت غضبناک ہو کر آپ کو گھورتے جاتے ہیں تاکہ آپ اپنے اس منصب جلیل سے ہٹ جائیں اور زبان سے بھی نعرے لگاتے جاتے ہیں کہ یہ دیوانے ہیں۔ کوئی ان کی باتوں پر توجہ نہ کرے۔ درحالیکہ

آپ جو کچھ ان کو سناتے ہیں اور ہماری کتاب (قرآن کریم) میں جو کچھ لکھا ہے وہ تمام جہانوں اور جہان والوں کے لئے قابل یادگار نصیحت ہی نصیحت ہے جس سے دونوں جہاں کے کام بنتے ہیں اور قوموں کی نجات کی راہ اس سے ملتی ہے۔ ایسی یادگار نصیحت کو دیوانے کی باتیں کہنا اس سے بڑھکر دیوانگی وسفاہت اور کیا ہو سکتی ہے؟۔

دوسری تفسیر یا یوں کہئے کہ ہماری یہ کتاب قرآن کریم اور آپ کا یہ خلق عظیم ان دونوں کا ساتھ کچھ ایسا موزوں ومناسب جوڑ ہے کہ نظر لگتی ہے۔ مگر آپ انکی مطلقاً پرواہ نہ کیجئے اور برابر اپنے کام میں لگے رہئے۔ منکروں کا منہ بند کرنے اور انکی شرارتوں کو روکنے کا انتظام ہم کیا کرنے والے ہیں آپ کو دیکھتے رہیئے۔ وہ وقت دور نہیں کہ اس کا خاطر خواہ انتظام ہو جائے گا۔ آپ ذرا صبر سے انتظار کیجئے:۔

قد کان قومك يحسبونك سيدا واخال انك سيد معيون

آپ کی قوم تو آپ کو سب کا آقا و سردار سمجھتی ہی تھی اور ہمارا خیال تو یہ ہے کہ آپ ایسے سردار و آقا ہیں جن کو نظر لگتی ہے۔

نظر بد حق ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ العين حق ولو كان شيئ سابق القدر لسبقته العين واذا استغسلتم فاغسلوا۔ (بخاری مسلم وغیرہما) نظر لگنا حق ہے۔ اگر کوئی چیز تقدیر پر بھی سبقت کرنے والی

ہوتی تو وہ نظر بد ہی ہوتی۔ اور اگر تم سے (منہ) دھو لینے کی فرمائش کی جائے تو دھو لیا کرو۔" اس سے بدنظری دفع ہو جاتی ہے۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ ان العین لیدخل الرجل القبر والجمل القدر۔ (ابو نعیم ابن عدی عن ابی ذرؓ) نظر بد انسان کو قبر میں دفن کرتی اور اونٹ کو دیگ میں پہنچاتی ہے آپ نے یہ بھی فرمایا:۔ اکثر من یموت من امتی بعد قضاء اللہ وقدرہٖ بالعین (بزار) (حکم الٰہی اور اس کی تقدیر کے مطابق سب ہی مرتے ہیں لیکن) میری امت کے اکثر لوگ قضا و قدر کے بعد نظر بد کا شکار ہوتے رہیں گے۔" کہتے ہیں کہ قبیلہ بنی اسد بدنظری میں مشہور تھا۔ قریش نے ایک شخص کو بلوایا اور اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس نیت سے دیکھا بھی مگر اللہ سبحانہ نے یہ آیۂ کریمہ نازل فرمائی جس کی تلاوت کی برکت سے آپ پر اس کا کچھ بھی اثر نہ ہوا۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ آیۂ کریمہ وان یکاد الذین کفروا نظر بد دفع کرنے کے لئے اکسیر ہے۔" حافظ شیرازی فرماتے ہیں:۔

حضور مجلس انس است دوستاں جمع اند
وان یکاد بخوانید و در فراز کنید

وماھو الا ذکر کی دوسری تفسیر

حضرت یعقوب کرخیؒ فرماتے ہیں کہ وماھو الا ذکر للعالمین میں ضمیر ھو حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بھی راجع

ہو سکتی ہے "۔ اس صورت میں معنی یوں ہوں گے کہ آپ کی ذات تمام عالمین کیلئے نصیحت اور ذکر ہے کہ آپ کو دیکھنے اور آپ کا نام مبارک یاد آجانے سے اللہ یاد آتا ہے

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لئے

بتائیں تمہیں ان کا نام مجرد محمد محمد محمد محمد

وصلی اللہ تعالیٰ وسلّم علیٰ اوّل قابل للتجلّی من الحقیقۃ الکلّیۃ وعلیٰ آلہ واصحابہ وازواجہ واتباعہ خیر البریّۃ ۔

سورہ قلم کی تفسیر ختم ہوئی ۔ الحمد للہ والمنہ ۔

۷ رجب المرجب ۱۳۷۷ھ ۔ سہ شنبہ